SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Monday, January 18, 2010

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad at forty minutes past three in the evening with Mr. Chairman (Mr. Farooq Hamid Naek) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ ٱللّٰہِ ٱلرَّحْمٰنِ ٱلرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا
تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ج وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ
ط۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔

ترجمہ: بے شک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان
پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور جنت میں خوش رہو جس کا
تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی
اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو
وہاں مانگو گے ملے گا۔ بخشنے والے نہایت رحم والے کی طرف سے مہمانی ہے۔

سورۃ حٰم السجدہ آیات 30 تا 32

Leave of Absence

جناب چیئرمین: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پہلے leave applications لے لیتے ہیں۔جناب محمد جہانگیر بدر صاحب بعض مصروفیات کے باعث مورخہ 14اور 15جنوری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے تھے۔ انہوں نے ایوان سے ان تاریخوں کے لیے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا آپ ان کی رخصت منظور فرماتے ہیں؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: میر محمد علی رند صاحب نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 14 تا 18 جنوری کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: سیدہ صغریٰ امام صاحبہ ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 15 جنوری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکی تھیں اس لیے انہوں نے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: محترمہ فرح عاقل صاحبہ ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 15 جنوری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکی تھیں اس لیے انہوں نے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: محترمہ گلشن سعید صاحبہ ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 11 تا 14 جنوری اجلاس میں شرکت نہیں کر سکی تھیں اس لیے انہوں نے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت منظور ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: مخدوم شہاب الدین صاحب وزیر صحت نے اطلاع دی ہے کہ وہ بعض سرکاری مصروفیات کے باعث اسلام آباد سے باہر ہیں اس لیے مورخہ 18 تا 23 جنوری اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔

جناب چیئرمین: محترمہ ثمینہ خالد گھرکی صاحبہ وزیر برائے سماجی بہبود وخصوصی تعلیم نے اطلاع دی ہے کہ وہ ملک سے باہر جا رہی ہیں اس لیے مورخہ 23 جنوری تک اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گی۔

جناب چیئرمین: جناب قمر الزمان کائرہ صاحب وزیر برائے اطلاعات و نشریات نے اطلاع دی ہے کہ وہ لاہور میں سرکاری مصروفیات کے باعث آج مورخہ 18 جنوری اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔

جناب چیئرمین: ڈاکٹر فاروق ستار صاحب وزیر برائے سمندر پار پاکستانیز نے اطلاع دی ہے کہ وہ اسلام آباد سے باہر ہیں اس لیے آج مورخہ 18 جنوری اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ جی منسٹر صاحب۔

Points of Order

Fund for Parliamentarians

سینیٹر عبدالرزاق اے تھہیم: وزیر اعظم صاحب نے announce کیا تھا کہ parliamentarians کو دو کروڑ دیں گے۔ ایک کروڑ تو release ہو گیا تھا، اب وزیر اعظم صاحب نے ایک کروڑ مزید release کرنے کی approval دی ہے تو میں آپ کے توسط سے House کو بتانا چاہتا ہوں کہ اب parliamentarians کی development schemes کے دو کروڑ ہوں گے۔ اگر دوسرے کروڑ کے لیے schemes نہیں دیں تو مہربانی کر کے مجھے بھجوا دیں۔ میں سب کو letter بھی بھیج رہا ہوں۔ وزیر اعظم صاحب کی commitment پوری ہو گئی اور دو کروڑ کے لیے فیصلہ بھی ہو گیا ہے اور اس کا letter جو وزیر اعظم نے approve کیا ہے وہ بھی for record آپ کو دے رہا ہوں۔

(ڈیسک بجائے گئے)

(مداخلت)

جناب چیئرمین: ایک منٹ جناب، ذرا ختم تو کرنے دیں۔ ذرا صبر کیجیے، وہ ختم کریں گے توآپ کی بات ضرور سنیں گے۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب! وہ پیسے گِنوا رہے ہیں، وہاں لوگوں کو مار رہے ہیں، ادھرآپ کو پیسوں کی فکر پڑی ہوئی ہے۔

جناب چیئرمین: ان کو ختم کرنے دیں، ایک منٹ دے دیں۔ جی منسٹر صاحب، ذرا ختم کیجیے۔

سینیٹر عبدالرزاق اے تھہیم: بہرحال وزیر اعظم صاحب نے جو 10 million مزید کی approval دی ہے، وہ letter record پر رکھ رہا ہوں اور individually بھی عرض کر رہا ہوں کہ مہربانی کر کے یہ letter circulate کیا جائے۔ سب کو میں کہوں گا کہ وہ فروری تک اپنی سکیمیں بھیج دیں۔ Thank you.

جناب چیئرمین: جی بزنجو صاحب۔ بزنجو صاحب کوئی بات بتانا چاہتے ہیں۔ بزنجو صاحب، آپ بولیں گے یا لغاری صاحب بولیں گے۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب! میں ایک منٹ کے بعد اپنا point raise کرنے جا رہا ہوں۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: باری، باری۔ مولانا صاحب، جلدی کیا ہے؟ میں بھی بیٹھا ہوں، آپ بھی بیٹھے ہیں، جلدی کیا ہے؟ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جی لغاری صاحب۔

سینیٹر سردار محمد جمال خان لغاری: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب چیئرمین صاحب! ہم honourable Minister Sahib کے اس اعلان کو welcome کرتے ہیں کہ انہوں نے Prime Minister Sahib سے تمام parliamentarians کے لیے additional 10 billion اس سال کے development fund کے لیے حاصل کر لیے ہیں۔ ہم ان کی اس کوشش کو سراہتے ہیں لیکن ساتھ ہی میں اس ایوان بالا کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ اس ناچیز سینیٹر کے اسی وزیر اعظم صاحب کے حکم پر 2009 and 2008 کے ایک کروڑ کے funds cancel کیے گئے۔ یہ

funds میری ذاتی تجوری میں نہیں جانے والے نہیں تھے، یہ میرے علاقے کے غریب عوام کی ترقیاتی سکیموں کے لیے مختص کیے گئے funds تھے۔ 06 June, 2009 کو آپ کی اسی حکومت کی administrative approval آچکی تھی تو یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف ایک، ایک کروڑ کے additional fund کا اعلان ہوتا ہے اور دوسری جانب کلمہ حق کہنے والے اور حق گوئی کرنے والے Senators کے پورے funds cancel کر دیے جاتے ہیں۔ میں اپنے معزز وزیر صاحب سے جاننا چاہوں گا کہ کس قسم کی hypocrisy کی سیاست پر ان کا یقین ہے، جس کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔ جی حاصل بزنجو صاحب۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب چیئرمین صاحب! بڑے تڑاکے سے رضا ربانی صاحب، ہمارے Prime Minister Sahib اور ساری حکومت نے joint session میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہم بلوچستان کو package دے رہے ہیں۔ ہم بلوچستان کو نوکریاں دیں گے۔ ہم بلوچ نوجوانوں کو on board لیں گے۔ جناب چیئرمین! جس وقت آپ جمعے کے دن اس اجلاس کے ختم کرنے کا اعلان کر رہے تھے، اس وقت بلوچ سٹوڈنٹ آرگنائزیشن کے پرامن جلوس پر Frontier Corps کے جوانوں نے حملہ کیا۔ دو students کو شہید کیا گیا اور تین students زخمی ہیں جن میں سے ایک کا آج آغا خان ہسپتال میں پاؤں کاٹ دیا گیا ہے اور یہاں حکومت اور پیپلز پارٹی یہ شور کرتی ہے کہ ہم بلوچستان میں یہ کر رہے ہیں۔ جب نواب اکبر بگٹی سے بات چیت شروع ہوئی تو اسی اسلام آباد نے کہا تھا کہ سوئی گیس کے معاملات طے کریں گے، بلوچستان کے معاملات طے کریں گے، نتیجہ میں نواب اکبر بگٹی کو شہید کیا گیا۔ دوسری بات President of Pakistan نے کہا کہ میں نے پہلی دفعہ بلوچوں سے معافی مانگی ہے، اس سے بلوچوں کے درد ختم ہوں گے، بلوچوں کی تکلیف ختم ہو گی، ہم نے دیکھا کہ آپ نے لالہ منیر، غلام محمد اور شیر محمد کو شہید کیا۔ آپ نے آج ایک طرف اعلان کیا ہے کہ ہم بلوچستان کے لوگوں کو نوکریاں دیں گے اور دوسری طرف اس وقت آغا خان ہسپتال میں ان کے پاؤں اور ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ شرم کی بات ہے، انتہائی شرمناک واقعہ ہے، اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، میں اپنی طرف سے Opposition سے request کرتا ہوں کہ اس brutality اور بدمعاشی پر اس ایوان سے walk out کیا جائے، ہم اس پر walk out کرتے ہیں۔

(اس موقع پر Opposition نے ایوان سے walk out کیا)

جناب چیئرمین: ایک منٹ ڈاکٹر صفدر عباسی صاحب! آپ کچھ فرما رہے تھے۔ جی بالکل مولانا صاحب آپ کو بھی chance ملے گا، وہ پہلے کھڑے ہوئے تھے، اس لیے ان کو موقع دیا ہے، میں باری باری سب کو موقع دیتا ہوں، آپ کو ضرور موقع دوں گا۔ جی۔

سینیٹر ڈاکٹر صفدر علی عباسی: جناب! میری گزارش بھی اسی ضمن میں تھی جو ابھی Minister for Local Government نے announcement کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جمال لغاری صاحب اکیلے نہیں ہیں، 09–2008 کے funds غالباً ان کے utilize نہیں ہو سکے تھے، وہ lapse ہو گئے تھے۔ میں جب سے اس Parliament میں آرہا ہوں تو funds کبھی lapse نہیں ہوتے تھے، وہ carry over کے طور پر اگلے سال کے لیے accommodate کر لیے جاتے تھے، یہ میرا خیال ہے۔ یقیناً Minister صاحب اس پر بات بھی کریں گے کہ جو funds 30 June تک utilize نہیں ہو سکے تھے، وہ lapse کر دیے گئے ہیں، میری ان سے یہ request ہے کہ جن Senators یا MNAs کے funds lapse کر دیے گئے ہیں اور ان کی schemes already موجود ہیں اور غالباً مجھے Local Government Ministry سے اطلاع ملی ہے کہ Prime Minister صاحب کے پاس یہ summary گئی ہوئی ہے۔ وزیر موصوف سے میری یہ request ہے کہ وہ Prime Minister صاحب سے کہہ کر ان funds کی release یقینی بنائیں تا کہ جو funds lapse ہوئے ہیں اور schemes already approved ہیں اور ان کی administrative approval اور ہر چیز موجود ہے، صرف ان funds کو rehabilitate کرنا ہے۔ میری request یہ ہو گی کہ وہ یہاں پر announcement کریں کہ وہ یہ rehabilitate کر رہے ہیں۔

جناب چیئرمین: میں منسٹر صاحب سے پوچھ لوں، منسٹر صاحب جو لغاری صاحب اور ڈاکٹر صفدر عباسی صاحب نے بات کی ہے۔ بخاری صاحب، بخاری صاحب۔ جی، جی۔

سینیٹر عبدالرزاق اے تھہیم: لغاری صاحب نے جو بات کی ہے کہ individually لغاری صاحب کو victimize کیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ میں نے ابھی بتایا تھا کہ یہ جو صفدر عباسی صاحب فرما رہے ہیں کہ 09–2008 کے funds تھے، وہ lapse ہوئے تھے، requisite agency سے administrative approval نہیں آئی، estimate نہیں ہے، پہلے lapse نہیں ہوتے تھے۔ ہم نے اسی لیے وہ سارے figures بنا کے Prime Minister صاحب کو بھیجے ہیں کہ پہلے کبھی بھی

کوئی fund lapse نہیں ہوتا تھا، Finance Minister صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو بھی پتا ہے تو میں کوشش کروں گا، میں Finance Minister کو بھی عرض کر رہا ہوں، Prime Minister کو بھی عرض کریں گے۔

جناب چیئرمین: حاجی صاحب! آپ سے صبر کیوں نہیں ہو رہا کیونکہ he is still on his legs.

سینیٹر عبدالرزاق اے تھہیم: Prime Minister صاحب کو بھی عرض کریں گے اور summary بھی بھیجی ہوئی ہے کہ مہربانی کر کے ان کے پیسے دیں، پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، یہ صحیح ہے۔ ابھی کن حالات میں ہوا، میں اس میں نہیں جانا چاہتا مگر Prime Minister کو summary بھی بھیجی ہے، Finance Minister صاحب بھی بیٹھے ہیں، سارے sympathetic ہیں، انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ یہ معاملہ حل ہو، یہ genuine grievance ہے۔

جناب چیئرمین: ذرا کوشش کریں، ٹھیک ہے۔ مولانا عبدالغفور حیدری صاحب۔

سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری: شکریہ جناب چیئرمین۔ بات دراصل یہ ہے کہ بلوچستان کے حوالے سے آپ کے علم میں بھی ہو گا اور یہ جو تازہ واقعہ ہوا ہے، آج سے کوئی تین، چار روز پہلے خضدار میں ہوا ہے،۔

جناب چیئرمین: بخاری صاحب! یہ جو باہر گئے ہیں، ان کو بلا کر لائیں۔ اچھا Chief Whip کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔

Firing on Balouch Student Organization

سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری: تین، روز قبل FC والوں نے ایک نوجوان کو شہید کیا اور دوسرے کو زخمی کیا، اس کے بعد سارا شہر سراپا احتجاج ہے اور وہاں پر جلسے اور مظاہرے بھی ہوئے۔ مظاہرے کے دوران پھر FC نے firing کی اور ایک اور نوجوان شہید ہوا اور تین، چار لوگ زخمی ہوئے، آج خضدار اور بالخصوص بلوچ علاقے کے بڑے بڑے شہروں میں ہڑتال ہے، احتجاجی مظاہرے ہیں، جلسے ہیں، جلوس ہیں۔ جناب چیئرمین! عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہاں پر بہت کچھ کہا گیا کہ بلوچستان کی مایوسیوں کو ختم کریں گے، وہاں کے لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھیں گے، وہاں جو لوگ گمشدہ ہیں، لاپتا ہیں، ان کو بازیاب کیا جائے گا لیکن ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک پاشی

کی جا رہی ہے اور حالات خراب کیسے جا رہے ہیں۔ میں آپ کے توسط سے گزارش کرنا چاہوں کہ بلوچستان کے مسائل پر فوری طور پر توجہ دینی چاہیے، یہاں اس House میں ہاتھ بھی جوڑے گئے کہ ہم ہاتھ جوڑتے ہیں اور بلوچستان کے عوام سے معافی مانگتے ہیں تو میں نے اس وقت بھی یہ عرض کیا تھا کہ ہاتھ جوڑنے سے مسائل حل نہیں ہوں گے جب تک کہ عملی اقدام نہیں ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے جو ہمیشہ ہر اجلاس میں زیر بحث بھی آتا ہے، اب ہمیں عملی اقدام کی طرف جانا ہے، صرف وعدوں، اعلانات اور کاغذی کارروائی سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ میری یہ گزارش ہے کہ آپ خصوصی طور پر اس پر کوئی توجہ دیں، کوئی ruling دے دیں۔ شکریہ جناب چیئرمین۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔ جی حاجی عدیل صاحب۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: جناب چیئرمین! آپ کو پتا ہے کہ ہماری پارٹی عدم تشدد والی پارٹی ہے۔ کراچی میں ہمارے پختون بھائی جن کا تعلق FATA, ہمارے پشتون خواہ اور بلوچستان کے پشتون area سے ہے وہ وہاں آباد ہیں، ان کی آبادی تقریباً 30 لاکھ سے زیادہ ہے۔ پختون ایک پرامن قوم ہے، وہ ہمیشہ خاموشی سے ظلم بھی برداشت کر لیتی ہے لیکن اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ہم نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ کراچی میں امن قائم رہے بلکہ ہم نے یہاں پر proposal بھی دی ہے اور ہماری پارٹی نے وہاں بھی proposal دی ہے کہ کراچی کے اسلحہ کو ختم کریں، ہر قسم کے اسلحہ کو ختم کریں، چاہے وہ licence والا اسلحہ ہے یا بغیر licence والا اسلحہ ہے کیونکہ گولی جس اسلحے سے چلتی ہے، وہ آدمی کو قتل کرتی ہے۔ ہم اس کمیٹی میں بھی شامل کیے گئے تھے لیکن ایک پارٹی نے احتجاج کیا جو کراچی کے مسائل کے بارے میں Core Committee ہے، اس میں ANP اور پاکستان مسلم لیگ پیر پگاڑا گروپ کو شامل نہ کریں۔ ہم نے پھر بھی پرامن طریقے سے اپنی بات پہنچائی ہے لیکن اب ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے کیونکہ بلدیاتی الیکشن سامنے آ رہے ہیں، ایک عرصے سے یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے پختون بھائیوں کو چاہے ان کا تعلق FATA سے ہے، چاہے پشتون خواہ سے یا بلوچستان کے علاقے سے ہے۔ ان کا شناختی کارڈ نہیں بن سکتا، ان کے بچوں کے domicile نہیں بن رہے، ان بچوں کو کالجوں میں داخلہ نہیں مل رہا، آخر یہ بچے کہاں جائیں۔ یہ 30 لاکھ وہاں آباد ہیں، اگر ان کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہو گا تو آپ کل ان کو declare کر دیں گے کہ یہ افغانستان سے آئے ہوئے ہیں، اگر کل ان کے پاس domicile نہیں ہو گا تو ان کو Medical and Engineering

colleges میں داخلہ نہیں ملے گا جب ان کو داخلہ نہیں ملے گا تو وہ بے روزگار پھریں گے، ان پڑھ پھریں گے۔ آخر ہمارے ساتھ یہ ظلم کیوں ہو رہا ہے، ہمارے ساتھ ایک طرف FATA میں ساری دنیا، القاعدہ، طالبان اور لشکر مل کر ظلم کر رہے ہیں، ادھر کراچی میں پرامن پختونوں پر یہ ظلم ہو رہا ہے۔ اس کا ہمیں جواب نہیں دیتے، ہم جب بھی اس کی بات کرتے ہیں، لوگوں کے کان بند ہو جاتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ انہیں نہ نظر آرہا ہے اور نہ سن رہے ہیں، اگر ایسی حالت ہے تو جناب! ہم اس موضوع پر walk out کرتے ہیں، اگر کوئی ہماری بات نہیں سنتا۔ ہم اپنے پختون بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ walk out کریں۔

(اس موقع پر ANP کے اراکین دوسرے اراکین کے ہمراہ ایوان سے walk out کر گئے)

جناب چیئرمین: ڈاکٹر بلیدی صاحب۔

سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی: جناب چیئرمین! یہ جو واقعہ خضدار میں ہوا ہے، حاصل بزنجو اور حیدری صاحب نے اس پر بات کی ہے، ہم اس کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ پرامن جلوس پر FC والوں نے firing کی اور دو بندوں کو شہید کیا گیا اور کچھ شدید زخمی بھی ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بلوچستان کے حالات کو ایک سازش کے تحت خراب کرنے کے لیے ایک منصوبہ بندی کی جا رہی ہے، اگر اس طرح یہ معاملہ شروع ہو گیا تو پورا بلوچستان لپیٹ میں آئے گا تو آپ خصوصی طور پر وزیر داخلہ کو ہدایت جاری کریں کہ اس کی پوری inquiry کریں اور ان حالات کو سنبھالیں ورنہ پورے بلوچستان میں احتجاج اور یہ مسئلے مسائل ہوں گے۔ کل بھی دو دھماکے تربت میں ہوئے ہیں اور خضدار میں بھی ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعات پھر بڑھ جائیں تو ہم اپنی پارٹی کی طرف سے کہتے ہیں کہ ہم اس کی جتنی مذمت کریں، وہ بالکل کم ہے۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔

سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی: دوسرا آپ کو پہلے بھی معلوم ہے کہ وہاں ہمارے علاقے میں جو سیلاب زدگان تھے ان کے لیے مرکزی حکومت نے 5 ارب 50 کروڑ روپے دینے تھے، تربت میں جو سیلاب زدگان ہیں وہ بیچارے دربدر ہیں، وہ جون جولائی کی گرمیوں سے ابھی تک سردیوں میں خیموں میں رہ رہے ہیں، کئی دفعہ منسٹر صاحب نے surety بھی دی کہ ہم اسے release کریں گے۔ اس میں جھل مگسی، خضدار، نال اور میرے خیال میں کچھ علاقے پشتون بیلٹ کے

بھی ہیں۔ آپ ان پیسوں کا انتظام کریں تا کہ وہاں تعمیر نو ہوسکے کیونکہ میرا علاقہ اس حلقے میں ہے اور وہ لوگ ہمیشہ پوچھتے ہیں کہ آپ وہاں ہمارے لیے کیا کر رہے ہیں۔ آپ خود وہاں جا کر انکوائری کریں اور دیکھیں کہ لوگ وہاں بے یار و مددگار خیموں میں زندگی گزار رہے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لیے آپ متعلقہ منسٹر کو ہدایات جاری کریں، شوکت ترین صاحب یہاں خود بھی موجود ہیں جو کہ وزیر خزانہ ہیں۔ جب وزیراعظم صاحب گوادر آئے تھے تو انہوں وعدہ کیا تھا کہ پیسہ release کیا جائے گا۔ آپ اس کا بندوبست کریں۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ شاہ صاحب! آپ کے coalition partners ANP walkout کر گئے ہیں۔

(اس موقع پر ANP کے اراکین ایوان میں واپس تشریف لے آئے)

جناب چیئرمین: جی کسی اور کا point of order ہے؟ جی بزنجو صاحب۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں کہ آپ صرف اس ہاؤس کے custodian نہیں ہیں کیونکہ..... you are representing the whole country

Mr. Chairman: Federation.

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جی ہاں.federation میں سمجھتا ہوں کہ you are also one of the symbols of the federation. ادھر جو کچھ ہوا، لوگوں پر جس قسم کی brutality کی گئی، اگر اس ہاؤس اور اس حکومت کی طرف سے کوئی assurance نہیں آتی ہے تو پھر ہم ان چیزوں پر گلہ نہ کریں جو کہ already بلوچستان میں ہو رہی ہیں۔ آج ایک لڑکے کا پاؤں کاٹ دیا گیا ہے، وہ آغا خان hospital میں پڑا ہوا ہے۔ حکومت پر ذمہ داری بنتی ہے کہ ان تمام لوگوں کا علاج کروایا جائے، انہیں assure کیا جائے اور FC کی اس brutality کو کسی نہ کسی طرح روکا جائے۔

جناب چیئرمین: جی میاں رضا ربانی صاحب۔

سینیٹر میاں رضا ربانی: جناب! مجھے نہایت ہی افسوس ہے کہ جن واقعات کی حاصل بزنجو صاحب نے نشاندہی کی ہے اور یقیناً پارلیمنٹ کے joint session میں، اس سے پہلے اور President بننے سے بھی پہلے پاکستان پیپلز پارٹی کے co-chairman نے بلوچ عوام سے معافی مانگی اور پھر پرائم منسٹر نے آغاز حقوق بلوچستان کا اعلان کیا۔ ہم نے اس میں یہ بات بڑے واضح الفاظ میں

کہی ہے کہ ماضی کی جو ریاستی تشدد کی پالیسی ہے اسے برقرار نہیں رکھا جائے گا لیکن آج افسوس سے یہ بات کہنی پڑرہی ہے کہ شاید وہ پالیسی ابھی بھی کچھ جگہوں پر چل رہی ہے۔ جناب چیئرمین! جس وقت اس proposal کا یا آغاز حقوق بلوچستان کا joint parliament میں اعلان کیا گیا اور اس کے بعد بھی میں نے اور پرائم منسٹر صاحب نے یہ بات بڑے واضح الفاظ میں کہی کہ اگر اس proposal کو implement نہ کیا گیا تو یہ بھی دیگر proposals کی طرح کسی لائبریری میں shelf پر موجود رہے گی۔

ایک طرف تو پرائم منسٹر نے خود اپنی نگرانی میں بڑا vigorously اس کی implementation کا کام شروع کیا، آپ کے توسط سے یہاں پر پرائم منسٹر کے نمائندے Leader of the House ہیں، میں یہ چاہوں گا کہ جب آج پرائم منسٹر صاحب اسمبلی بلڈنگ میں آئیں تو یہ ان کو بتا دیں کہ جناب آپ نے اور آپ کی حکومت نے جو package دیا ہے یا جو آغاز حقوق بلوچستان کا آغاز کیا ہے، اس کو کسی نہ کسی quarter سے sabotage کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ FC کے پاس کسی قسم کی کوئی justification نہیں تھی کہ وہ اس قسم کا سنگین action طالب علموں کے جلوس پر لیں۔ میں بھی اپنے دیگر دوستوں کے ساتھ اس کو condemn کرتا ہوں۔

(Thumping of desks)

سینیٹر میاں رضا ربانی: اس کے ساتھ ساتھ میں آپ کے توسط سے اس بات کو پرائم منسٹر کے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ he must intervene personally himself.

جناب چیئرمین: جی بخاری صاحب۔

سینیٹر سید نئیر حسین بخاری (قائد ایوان): شکریہ جناب چیئرمین۔ جناب حاصل بزنجو صاحب نے جو issue raise کیا، یہ نہ صرف ان کے لیے concern ہے بلکہ یہ پوری قوم کے لیے concern ہے۔ جیسا کہ موجودہ حکومت نے آغاز حقوق بلوچستان کا package دیا اور certainly حکومت یہ چاہتی ہے کہ اس پر implementation ہو، حکومت قطعاً یہ نہیں چاہتی کہ جو commitments بلوچستان کے عوام سے کی گئی ہوں ان سے retreat کیا جائے۔ ہم یہ ensure کرنا چاہتے ہیں کہ اس package پر letter and spirit میں عمل ہو۔ اس واقعے سے یہ نظر آتا ہے کہ probably کچھ forces اس package کو implement کرنے میں کوئی hindrance or obstruction create کر رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان forces کو bridle کرنے کی بھی

ضرورت ہے اور وفاقی حکومت یہ ضرور ensure کرے گی کہ بلوچستان کے عوام کے ساتھ جو commitments کی گئی ہیں ان کو fulfill کیا جائے۔ جو students شہید ہوئے ہیں ہمیں ان پر افسوس ہے، ہمیں ان کے لواحقین سے بھی ہمدردی ہے، ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ جیسے بزنجو صاحب نے کہا کہ students آغا خان میں admit ہیں we will ensure that the Balochistan Government should look کہ انہیں medical facilities دی جائیں۔

جناب چیئرمین: ان کا جو بھی خرچہ ہے وہ بھی برداشت کیا جائے۔

سینیٹر سید نئیر حسین بخاری۔ جی بالکل۔

جناب چیئرمین: جی وسیم سجاد صاحب۔

سینیٹر وسیم سجاد: جناب چیئرمین! آج جس واقعے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یہ ایک بہت سنگین واقعہ ہے۔ حکومت کے اس package اور رضا ربانی صاحب کی تقریر کے بعد ہمیں یہ توقع تھی کہ اب بلوچستان پر خصوصی توجہ دی جائے گی اور ایسی کوئی بات نہیں کی جائے گی کہ وہاں پر حالات مزید خراب ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ دونوں جانب سے اس کو condemn کیا گیا، یعنی گورنمنٹ نے خود condemn کیا۔ میرے خیال میں یہ ایک بڑی نئی اور اہم بات ہے کہ یہ Government Benches کی طرف سے condemn ہو رہا ہے، ہماری طرف سے تو condemn ہو ہی رہا ہے۔ میں چاہوں گا کہ اس معاملے کی ایک judicial inquiry کرائی جائے، Frontier Corps حکومت کے تحت ادارہ ہے، اس کی inquiry ایک ہائیکورٹ کے جج سے ہونی چاہیے اور جو بھی ملوث پایا جائے اسے سنگین سزا ملنی چاہیے،ورنہ یہ بات ہمیشہ اسی طرح رہے گی کہ یہاں پر تقریریں ہو جاتی ہیں، پرائم منسٹر صاحب بھی کہتے ہیں ہم آغاز حقوق بلوچستان کو آگے بڑھائیں گے، زیادتیاں نہیں کریں گے اور پھر اس کے بعد فائرنگ ہو جاتی ہے اور لوگ شہید کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ ایک بڑی عجیب سی بات ہے۔

جناب چیئرمین! میں ایک دوسری بات کرنا چاہوں گا کہ میں ابھی ٹیلیویژن پر دیکھ رہا تھا کہ فیصل آباد میں لوڈشیڈنگ کے خلاف آج پھر ہڑتال ہے۔ یہ لوڈشیڈنگ دیمک کی طرح ملک کو کھا رہی ہے، اس کی وجہ سے انڈسٹری بند ہے، بچے تعلیم حاصل نہیں کر پا رہے ہیں، agriculture پر اثر آ رہا ہے، سارا ملک paralyzed ہے۔ ہم سے Minister Water and Power نے وعدہ کیا تھا کہ دسمبر تک یہ لوڈشیڈنگ ختم ہو جائے گی، اب لگتا ہے کہ اگلے دسمبر تک بھی ختم نہیں ہو گی۔ میں

حکومت کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے پاکستان بد سے بد ترین حالات کی طرف جا رہا ہے، اس کا کوئی فوری طور پر علاج کیا جائے ورنہ پاکستان کی معیشت کو ایسا نقصان پہنچے گا کہ جس کی تلافی ممکن نہیں ہو سکے گی۔

جناب چیئرمین: عبدالغفور حیدری صاحب۔

سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری: جناب چیئرمین! ANPکے دوستوں نے کراچی کے مسئلے پرواک آوٹ کیا تھا اور اب واپس آگئے ہیں۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہوں نے جو بات یہاں اٹھائی ہے وہ مسئلہ واقعی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قائد ایوان یا آپ اس حوالے سے اس بات کا نوٹس لیں کہ یہاں کے لوگ جو وہاں اپنے کاروباری حوالے سے رہائش پذیر ہیں، محنت مزدوری کرتے ہیں اور سالہا سال سے وہاں رہائش پذیر ہیں۔ کراچی میں برمی آباد ہیں، بنگالی آباد ہیں ان سب کو domicile اور بنیادی حقوق حاصل ہیں تو ان کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیے۔اس حوالے سے آپ یا قائد ایوان ان کو یہ اطمینان دلائیں۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی مولانا شیرانی صاحب۔ اس کے بعد آپ کو وقت ملے گا۔ جی۔

سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی: شکریہ جناب چیئرمین! ایک مسئلہ جو بلوچستان میں رہا ہے وہ ایف سی کا ہے اور ہمیشہ سے رہا ہے۔ اس کا ایک علاج تو بلوچستان کی صوبائی حکومت کی جانب سے پہلے پیش کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آئی جی، ایف سی وزیراعلی بلوچستان کی مشاورت سے لگایا جائے گا لیکن ابھی تک اس پر کوئی پیش رفت اور عملدرآمد نہیں ہوا۔دوسری قابل افسوس بات یہ ہے کہ ایک طرف تو خضدار میں یہ زیادتی ہوئی، دوسری طرف پھر کوئٹہ شہر میں settler کو گولیاں ماردی گئیں اور ہماری دانست میں یہ ہمیشہ ایجنسیوں کا کارنامہ ہوتا ہے تاکہ اس عمل کو اس سے بھلایا جاسکے۔ یہ جو ایجنسیاں ہیں ان سے ہماری جان کون چھڑائے گا ؟ کون ان کا مالک ہے کہ ان سے ہمیں نجات دلوا دے جو کہ جہاد کے نام پر فساد لائے، امن کے نام پر جنگ لائے اوراسی لیے ہم اپنی ایجنسیوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ اس کا کوئی مداوا ہے۔ جہاں تک آپ کے بلوچستان پیکج کا تعلق ہے اس میں تو بے شک گوال اسماعیل زئی کی جو چوکی تھی وہ ہٹا دی گئی ہے، شیلا باغ کی ہٹا دی اور پوتھل کی ہٹا دی لیکن اس کے بدلے میں جو F.C barrier نے لگائے، ہیں ان کا کیا ہوگا۔ دانہ سر میں، نارواسک میں، مانی خاد میں، کوری وارسک میں لگا دیا، چرچوبی میں لگا دیا، ہاجوان میں لگا دیا۔ اگر تین barrier ہٹا دیئے اور

آٹھ لگا دیئے ہیں تو کیا یہ پیکج پر عملدرآمد ہوا یا اس کی مخالفت ہوئی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہاں پر دہشت گرد آتے ہیں۔ تو میں انتہائی احترام سے کہوں گا کہ دہشت گرد اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے اگر ہماری ایجنسیاں اس کو پیدا نہ کریں۔ ہمارے وزیر داخلہ صاحب کراچی جاتے ہیں اور مدرسوں میں پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فتویٰ دو کہ یہ ناجائز ہے تو بجائے اس کے کہ فتویٰ لیا جائے اس training centre کو بند کیا جائے جہاں ان کو تیار کیا جاتا ہے۔ یہ کیا ڈرامہ ہے اور ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ہم آپ کی وساطت سے اور بخاری صاحب کی وساطت سے اور جو یہاں حکومت کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کی وساطت سے گزارش کرتے ہیں کہ ایجنسیوں کو حکومت کے کسی قانون کے تابع کیا جائے۔۔۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ بات ہو گئی ہے۔ جی راجہ صاحب۔

سینیٹر راجہ محمد ظفر الحق: شکریہ جناب چیئرمین! میں اپنی آواز میر حاصل خان بزنجو کے اس protest کے ساتھ ملاتا ہوں کہ بلوچستان میں نہتے بچوں پر جو کہ سکول اور کالج کے طالبعلم تھے، فائرنگ ہوئی ہے اور جانی نقصان ہوا ہے اور ماحول خراب ہوا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آج تین دن ہو گئے ہیں بلوچستان پورا بند ہے۔ اگر حکومت نے یہ کوشش کی تھی، اگر وزیراعظم صاحب نے یہ کوشش کی تھی کہ کسی طریقے سے ان کے زخموں کے اوپر مرہم لگایا جائے تو یہ کون لوگ ہیں جو اس کو سبوتاژ کر رہے ہیں؟ اگر وزیراعظم صاحب اس معاملے میں بے بسی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے کیے ہوئے وعدے اور ان کی جو ماحول پیدا کرنے کی کوشش تھی اس کو بھی اگر سبوتاژ کیا جاتا ہے تو کیا پھر کوئی باہر سے آکر ان حالات کو ٹھیک کرے گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا بڑا serious notice لینا چاہیے اور اگر یہ کہا جائے کہ فوج تو نہیں ہو گی لیکن ایف سی ہو گی تو میں سمجھتا ہوں کہ جو مطالبہ تھا کہ ایف سی کو صوبہ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کے تحت ہونا چاہیے اس معاملے کے اوپر effectively عملدرآمد ہونا چاہیے ورنہ اس کے بغیر وہاں امن قائم نہیں ہوگا، حالات مزید سے مزید خراب تر ہوں گے اور اس کے ساتھ ہی آپ دیکھتے ہیں کہ آج کے "DAWN" کے اندر ہے کہ جو tariff ہے وہ بڑھ جائے گا اور 18% تو بڑھا بھی دیا گیا ہے اور ہم شروع سے یہ کہتے تھے کہ IMF سے جو دوائی لی جاتی ہے۔۔۔

جناب چیئرمین: آپ کوئی نئی بات کر رہے ہیں یا بلوچستان کے مسئلے پر ہی ہیں۔

سینیٹر راجہ محمد ظفر الحق: یہ نیا معاملہ ہے۔ ہم یہ کہتے تھے کہ IMF سے جو دوائی لی جاتی ہے، دنیا بھر میں یہ مشہور ہے کہ اس سے مریض اور زیادہ بیمار ہوتا ہے اس کو شفاء نہیں ہوتی۔ اب آپ

دیکھ رہے ہیں کہ rental سے کیا نقصان ہو رہا ہے اور IMF نے جو بڑھانا شروع کیا ہے اس سے کیا ہو رہا ہے اور Asian Development Bank اس پر کیا کہہ رہا ہے، اس کی studies کیا کہہ رہی ہیں۔ یہ تو ایسی فضا قائم کی جا رہی ہے جس میں لوگوں کو جان بوجھ کر شاید سڑکوں پر لانے کی کوشش ہے۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی پروفیسر صاحب۔ بلور صاحب! اپوزیشن کے بعد آپ کی طرف آتا ہوں۔ جی۔

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شکریہ جناب چیئرمین۔ میں بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا۔ سب سے پہلے تو میں بلوچستان والے معاملے میں آپ کی اجازت سے چند جملے کہنا چاہتا ہوں۔ یہ مسئلہ محض بلوچستان کا نہیں ہے یہ پورے ملک کا مسئلہ ہے اور ہم نے اپنے تمام تحفظات کے باوجود وزیراعظم صاحب کے آغاز حقوق بلوچستان پیکج کو welcome کیا تھا لیکن ساتھ ہی ہم نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ یہ ناکافی ہیں، جو فضا ضروری ہے کسی بھی rapprochement کی وہ موجود نہیں ہے اور ایف سی کو آپ لا رہے ہیں یہ محض title بدلنے کے مترادف ہے اور بعد کے واقعات اس کی تائید کر رہے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس ایوان کے یہ جذبات وزیراعظم صاحب، حکومت، Establishment سب تک پہنچنے چاہیئں کہ بلوچستان میں جو آگ لگ رہی ہے خدا کے لیے اس پر تیل نہ ڈالیے، اس کو بجھانے کی کوشش کیجئے اور اگر اس معاملے میں مزید آپ تاخیر کرتے ہیں یا بے بس رہتے ہیں تو یہ تباہی کا راستہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میاں رضا ربانی صاحب نے اپوزیشن کی آواز کے ساتھ آواز ملائی ہے لیکن یہ بہت بڑا سوال ہے کہ مرکز میں آپ کی حکومت ہے اور صوبے میں بھی آپ کی حکومت ہے اور آپ بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ فوج کے ساتھ ہماری ہم آہنگی ہے ان تینوں باتوں کی موجودگی میں پھر یہ سب کچھ کیسے ہو رہا ہے؟ یہ جواب آنا چاہیے۔ اس کے بعد میں آپ کی اجازت سے دو چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلاتا ہوں بہت اختصار کے ساتھ۔ ایک مسئلہ وہی ہے جس کی طرف اشارہ کیا ہے ابھی راجہ صاحب نے بھی کہ یہ rental plants second hand، جو تین سے پانچ سال بھی نہیں چل سکیں گے، contextually بھی غلط ہیں چیزیں ہیں لیکن جو آج کی رپورٹ Asian Development Bank کی ہے یہ آنکھیں کھولنے والی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ 31% سے لے کر 45% اگلے تین مہینوں میں آپ کو قیمت اور بڑھانی پڑے گی۔ آپ اس ملک کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ اور اگر اس طریقے سے آپ نے energy لی تو یہ بہت

بڑی قیمت ہے صرف consumers کے لیے ہی نہیں بلکہ industry کے لیے بھی، ٹرانسپورٹ کے لیے بھی اور defence کے لیے بھی اور یہ بہت تباہی کا راستہ ہے۔ خدارا! اس پالیسی کو بدلیے۔

جناب چیئرمین: میرا خیال ہے پروفیسر صاحب this is last one ہوگا۔

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد: جی۔ بڑی اہم خبر یہ ہے کہ رابرٹ گیٹس صاحب ہندوستان کی یاترا کرنے کے بعد یہاں تشریف لارہے ہیں لیکن میرے خیال میں تاریخ میں پہلی مرتبہ اور میرے علم کی حد تک خود امریکہ کی تاریخ میں کبھی بھی اتنا بڑا delegation نہیں آیا کہ ان کے ساتھ 125 افراد وفد میں آئیں گے اور موضوع ہے افغان پالیسی۔ مجھے بتائیں کہ یہ کیا کھیل ہے۔ ساتھ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت سفارتخانے میں جو military presence ہے وہ 44 ہے اور اس کی تعداد بڑھا کر 280 کی جا رہی ہے۔ کیا یہ سفارتخانہ ہے یا فوجی اڈا ہے؟ پتا نہیں کب سے یہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ بہت ہی serious سوال ہے اور اس پس منظر میں 125 افراد کا آنا جب کہ پاکستان کی حکومت نے ویزہ دینے میں تحفظات کا اظہار کیا تھا اور وہ بالکل صحیح ہے کہ جس طرح امریکہ کی مختلف ایجنسیاں، بلیک واٹر، XE اور دوسرے ادارے ہمارے معاملات کے اندر دخیل ہو رہے ہیں۔ ذرا سا اشارہ کیا گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہاں ویزے رکے ہوئے ہیں تو اب یہ 125 افراد وفد کی شکل میں آرہے ہیں اور اس طرح آکر یہ subvert کرنا چاہ رہے ہیں اس چیز کو۔ یہ بڑا خطرناک کھیل ہے اور امریکہ کے foot prints جیسا کہ National Security کی قرارداد میں کہا گیا ہے کہ transparent ہونے چاہییں، پاکستانی قانون کے تحت ہونے چاہئیں اور ہمیں اس قسم کی چیزوں کو استعمال کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: جی بلور صاحب۔

سینیٹر الیاس احمد بلور: جناب چیئرمین! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے میری طرف دیکھ بھی لیا اور بولنے کی اجازت بھی دے دی۔ جناب! ہم نے token walk-out تو کیا لیکن ابھی Minister of State for Interior یہاں موجود ہیں، بیٹھے ہوئے ہیں، ہمارے وہ بچے جو کراچی میں ہیں، ہمیں House اور حکومت کی طرف سے کوئی categorically کچھ confirmation بھی تو ہونی چاہیے۔ ہم خالی walk-out کر جائیں یا بات کر لیں، فائدہ تو کچھ نہیں ہے۔ وہاں جو لوگ رہ رہے ہیں، ان کو نہ شناختی کارڈ دیتے ہیں، نہ ڈومیسائل دیتے ہیں۔ ابھی آگے بلدیاتی الیکشن آنے والا ہے،

کیا یہ خاص کر اس لیے کیا جا رہا ہے کہ بلدیاتی الیکشن میں کسی ایک پارٹی کو پھر بنایا جائے۔ ہمارے تو وہاں بہت سے ووٹ ہیں اور وہ لوگ کافی عرصے سے وہاں رہ رہے ہیں۔ میری request یہ ہے کہ خالی walk out کا تو کوئی فائدہ نہیں، ہم colleagues ہیں، ہم coalition Government میں ہیں، Minister of State بیٹھے ہیں ان کو چاہیے کہ وہاں order کریں۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: پوچھ لیتے ہیں۔ جی حاجی لشکری صاحب! آپ کا کیا ہے؟

سینیٹر نوابزادہ میر حاجی لشکری رئیسانی: چیئرمین صاحب! میں ایک کانفرنس میں تھا اس لیے تھوڑا late آیا ہوں۔ پچھلے دنوں خضدار کے اندر ایک پرامن احتجاج پر FC نے fire کر کے دو نوجوانوں کو قتل کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ elements ہیں جنہوں نے پہلے بلوچستان کے حالات کو خراب کیا۔ آج وہی elements چونکہ موجود ہیں اور وہ پسپا ہوئے ہیں، مکمل شکست تو ابھی تک انہوں نے نہیں کھائی بہرحال وہ پھر سے اس امن process کو derail کرنا چاہتے ہیں اور ایک پر امن احتجاج پر fire کر کے دو نوجوانوں کو انہوں نے قتل کیا ہے۔ میں اس عمل کی مذمت کرتا ہوں۔ میں آپ کے حوالے سے یہ چاہتا ہوں کہ Minister of State for Interior یہاں موجود ہیں، کہ اس واقعے کی مکمل انکوائری ہو اور اس کی رپورٹ ایوان کے سامنے رکھی جائے۔ دوسرا اس معاملے کو انسانی حقوق کی کمیٹی کے حوالے کیا جائے کیونکہ انسانی حقوق کو پامال کیا گیا ہے، یہ بھی لوگوں کے سامنے رکھا جائے ورنہ پھر جو عمل ہم آگے لے جا رہے ہیں، جس حوالے سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ صوبہ بلوچستان میں امن ہو، اس کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ وہ قوتیں جنہوں نے مشرف کے دور میں بلوچستان کے لوگوں کو اکسا کر وہاں فوج کشی کا جواز پیدا کیا، آج وہی قوتیں پھر سے سازش کر رہی ہیں، پھر ان کو روکنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ پارلیمنٹ اپنی sovereignty دکھائے اور اپنی طاقت دکھائے ایسی قوتوں کو بے نقاب کرنے کے لیے اور انکوائری کر کے پارلیمنٹ میں پیش کی جائے۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ منسٹر صاحب! یہ جو دو points raise کیے گئے بلوچستان کے بارے میں اور حاجی عدیل صاحب اور بلور صاحب نے point raise کیا کراچی میں پشتونوں کے بارے میں، اس کے بارے میں آپ کچھ روشنی ڈالنا چاہیں گے یا you want to gather some data?

جناب تسنیم احمد قریشی (وزیرِ مملکت برائے داخلہ): جناب چیئرمین! نادرا کے کارڈ کے حوالے سے کراچی کے اندر جو مسئلہ بنا ہوا ہے، ہماری طرف سے clear instructions ہیں کہ

جو بھی پاکستانی ہے، اس کو بغیر کسی حجت کے، requirements پوری کرتے ہوئے، شناختی کارڈ issue کیا جائے۔ کوئی ایسی instruction نہیں کہ کسی کا شناختی کارڈ روکا جائے۔ اس معاملے میں اگر ان کے پاس ایسی کوئی complaints آئی ہیں اور جان بوجھ کر ان کو روکا جا رہا ہے تو وہ ہمارے نوٹس میں نہیں ہے۔ چیئرمین نادرا سے بات کرکے اس کا مفصل جواب دے دیا جائے گا۔

دوسری بات، جو بڑا دردناک واقعہ ہوا ہے FC کے حوالے سے، اس پر انکوائری شروع ہو چکی ہے۔ رحمٰن ملک صاحب خود آکر اس کی تفصیل بتا دیں گے، وہ آج آجائیں یا کل آجائیں۔ اس سلسلے میں انکوائری initiate کر دی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نامناسب سی بات ہے کہ پرائم منسٹر نے یہاں ایک پالیسی واضح کی بلوچستان کی محرومی کے حوالے سے اور بڑے packages دیے انہوں نے، میں سمجھتا ہوں کہ اس پر inquiry ہو گی اور جو بھی معاملات ہوں گے وہ آپ کے سامنے رکھے جائیں گے۔

جناب چیئرمین: شکریہ جی۔ Points of order ہو گئے۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: جناب! نادرا کے معاملے کو آپ زیادہ اہمیت دیں۔ ہمارے اس کراچی کے معاملے کو Interior کی کمیٹی کے حوالے کیا جائے۔

جناب چیئرمین: آپ ان سے رابطہ کر لیجیے گا۔ کمیٹی میں بہت پیسے خرچ ہوتے ہیں۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: ان سے رابطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

جناب چیئرمین: نہیں، کوئی مشکل نہیں ہے۔ نہیں ہوتا ہے تو آپ مجھے بتائیے گا۔ Points of order ختم ہو گئے ہیں۔ Let's move to Item No.2. Senator Kazim sahib may move Item No.2.

Laying of Reports

سینیٹر محمد کاظم خان: جناب چیئرمین! بہت شکریہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

I move that under Sub-Rule (1) of Rule 171 of the Rules of Procedure and Conduct of Business in the Senate, 1988, the delay in presentation of the report of the Committee on the following Private Members' Bills, be condoned till today:-

i) The Constitution (Amendment) Bill, 2009.
(Introduced by Senator Saleem Saifullah Khan)

ii) The Constitution (Amendment) Bill, 2009.
(Introduced by Senator Wasim Sajjad)

Mr. Chairman: I put the motion to the House that under Sub-Rule (1) of Rule 171 of the Rules of Procedure and Conduct of Business in the Senate, 1988, the delay in presentation of the report of the Committee on the following Private Members' Bills, be condoned till today:-

i) The Constitution (Amendment) Bill, 2009.
(Introduced by Senator Saleem Saifullah Khan)

ii) The Constitution (Amendment) Bill, 2009.
(Introduced by Senator Wasim Sajjad)

(The motion was carried)

Mr. Chairman: Senator Kazim sahib, please move Item No.3.

Senator Muhammad Kazim Khan: I present the report of the Committee on the following Private Members' Bills:-

i) The Constitution (Amendment) Bill, 2009.
(Introduced by Senator Saleem Saifullah Khan)

ii) The Constitution (Amendment) Bill, 2009.
(Introduced by Senator Wasim Sajjad)

Mr. Chairman: The report stands presented. Item No.4, Senator Kazim may move the item.

Senator Muhammad Kazim Khan: I present the report of the Committee on the Bill further to amend the Pakistan Penal Code, 1860 and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 2009].

Mr. Chairman: The report stands presented. Mian Raza Rabbani sahib may move Item No.5.

Consideration of the Bill Re: The repeal of Section 2(a).

Senator Mian Raza Rabbani: Thank you sir. I beg to move the Bill further to amend the Services Tribunal Act, 1973 [The Services Tribunals (Amendment) Bill, 2007] as reported by the Standing Committee, be taken into consideration at once.

Mr. Chairman: Now, I put the motion before the House that it has been moved that the Bill further to amend the Services Tribunal Act, 1973 [The Services Tribunals (Amendment) Bill, 2007] as reported by the Standing Committee, be taken into consideration at once.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: We may now take up second reading of the Bill, i.e. clause by clause consideration of the Bill. Clause 2: Mian sahib, please be brief.

Senator Mian Raza Rabbani: I will be very brief sir.

جناب! یہ Section 2(a), 10-6-1997 کو incorporate کی گئی تھی۔ یہ ایک کالا قانون تھا کیونکہ اس کے ذریعے corporations اور semi-autonomous bodies کے employees کو civil servants declare کر دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے چھوٹے ملازمین کے جو مقدمات ان کی services سے متعلق تھے، وہ labour courts اور دیگر fora پر جایا کرتے تھے اور پھر وہ اپنی alternate appeal follow کرتے تھے لیکن جب یہ قانون آیا اور ان کو civil servants declare کر دیا گیا تو اس کے ذریعے ان کو پھر سروسز ٹربیونل کے اندر جانا پڑا۔ Services Tribunal کے اندر جانے کی وجہ سے چھوٹے ملازمین کو جو problem ہوتی تھی، وہ یہ تھی کہ ان کو ایک بھاری بھرکم وکیل رکھنا پڑتا تھا۔ وہ already نوکری سے نکالے ہوئے ہوتے تھے یا suspended ہوتے تھے تو یہ ایک added burden تھا۔

جناب چیئرمین! دوسری بات یہ ہے کہ Services Tribunal کی appeal, Article 212 کے تحت سپریم کورٹ کو ہے لہذا ایک چھوٹے گریڈ کا ملازم اگر وہ کراچی یا کوئٹہ میں نوکری کر رہا ہے، اس کے پاس اپنے آنے کے لیے کرایہ نہیں ہوتا تو وہ Advocate on Record of Supreme Court یا سپریم کورٹ کے وکیل کی فیس وغیرہ کس طرح دے گا؟ لہذا یہ ایک anti labour law تھا جس کا وعدہ محترمہ شہید بے نظیر بھٹو صاحبہ نے پاکستان کے محنت کشوں کے ساتھ کیا تھا کہ جب بھی وہ برسراقتدار آئیں گی وہ اس کالے قانون کو ختم کریں گی۔ آج میری یہ خوش قسمتی ہے کہ میں ایک Private Member's Bill کی حیثیت سے محترمہ شہید کے اس وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

جناب چیئرمین: جی وسیم سجاد صاحب۔

سینیٹر وسیم سجاد (قائد حزب اختلاف): جناب والا! Section 2(a) جس طرح رضا ربانی صاحب نے فرمایا کہ یہ 10-06-1997 کو Service Tribunal Act میں شامل کیا گیا تھا اور اس کے تحت یہ کہا گیا تھا کہ services and organizations, under control of government e.g., PIA, OGDCL یا ایسے ادارے ہیں جو حکومت کے کنٹرول میں ہیں، corporations ہیں۔ اب ان کے ملازمین میں workers بھی ہیں، supervisors بھی ہیں اور officers بھی ہیں۔ ان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ they shall be deemed to be civil servants not for the purpose of Civil Servant's Act. میرے خیال میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ civil servants نہیں بن جاتے، they shall be deemed to be civil servants for the purpose of Service Tribunal's Act یعنی ان کو civil servants والے قانون apply نہیں کریں گے لیکن Service Tribunal کے لیے they shall be deemed to be civil servants.

Mr. Chairman: They were given a forum.

سینیٹر وسیم سجاد: جی ان کو forum ملا۔ اب اس سے تمام ملازمین جن میں workers بھی تھے، supervisors بھی تھے، officers بھی تھے، تمام کو ایک forum مل گیا for redressal of their grievances. اس کے تحت اگر کسی شخص کو بھی غیر قانونی طور پر ملازمت سے نکالا گیا تو

وہ عام حالات میں عدالت میں نہیں جا سکتا تھا، یعنی آپ کو پتا ہے کہ master and servant کا ایک اصول ہے جس کے تحت نہ وہ writ میں جا سکتا ہے، workers کے لیے تو Labour Courts ہیں، ان کے لیے تو پہلے ہی موجود ہیں اور اس قانون کے تحت انہیں اب بھی Services Tribunal کا forum مل گیا ہے لیکن جو بقایا ملازمین ہیں ان میں supervisors بھی ہیں، ان میں clerical staff بھی ہے، ان میں officers بھی ہیں، ہر ایک کو ایک remedy مل گئی تھی کہ اگر ان کے خلاف کوئی غیر قانونی کارروائی کی جاتی ہے تو وہ Services Tribunal میں اپنا حق مانگ سکتے ہیں۔ اس کے تحت 1997-06-10 کے بعد بے شمار لوگوں نے اس قانون کے تحت relief حاصل کیا۔ اب رضا ربانی صاحب کا یہ Bill تو آج ہمارے سامنے آرہا ہے لیکن اس سے قبل جناب کو پتا ہو گا کہ سپریم کورٹ کے پاس ایک مقدمہ مبین الاسلام کے نام سے آیا جس کے تحت سپریم کورٹ نے کہہ دیا ہے کہ یہ Section 2(a) آئین سے متضاد ہے، لہذا انہوں نے اسے unconstitutional declare کر دیا ہے۔ اب اس کا effect یہی ہے کہ ایک تو یہ کہ وہ ختم ہو چکا ہے اور دوسرا effect یہ ہے کہ وہ تمام ہزاروں لوگ جن کو پہلے ایک forum مہیا تھا اب وہ اس forum سے محروم ہو گئے ہیں۔ اب ان ہزاروں کے مقدمات، کوئی ہائی کورٹ میں چل رہا ہے، کوئی کہاں چل رہا ہے لیکن ان کے پاس کوئی forum نہیں ہے۔ جب وہ ہائی کورٹ میں جاتے ہیں تو ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو master and servant کا اصول لگتا ہے، آپ یہاں کیسے آگئے ہیں، Civil Court میں جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ کہاں آگئے ہیں۔ اس لیے اب اس قانون کے ختم ہونے کے بعد میں Leader of the House اور یہاں پر بیٹھے ہوئے وزراء کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کیونکہ یہ collective responsibility ہے اور ماشاءاللہ دس وزراء ایسے ہیں تو کم از کم اگر سب کا وزن اکٹھا ہو جائے تو اتنا ہو جائے گا کہ آگے بات چل سکے گی اور یہ نہیں ہو گا کہ جی وزیر صاحب نے کچھ کہا اور لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے، وزیر صاحب نے کچھ کہا اور فائرنگ ہو رہی ہے۔ آج وہ کم از کم موجود ہیں اور مجھے امید ہے کہ جو بات ہو گی اس میں وزن ہو گا کیونکہ وہ دس وزراء ہیں۔ ایک کی بات ہوتی ہے تو وہ بات مانی نہیں جاتی کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم آغاز حقوق بلوچستان کے تحت لوگوں کو تحفظ دیں گے، وہاں پر فائرنگ شروع ہو جاتی ہے۔

جناب چیئرمین: آپ کا مدعا یہ ہے جو میں سمجھا ہوں کہ forum create کیا جائے۔

سینیٹر وسیم سجاد: میں گزارش کروں گا کہ اس قانون کی repeal کے بعد یا سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں اس بات کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ان تمام ملازمین کو تحفظ دیا جائے، ان کے لیے کوئی forum ہونا چاہیے تا کہ ان کے ساتھ اگر کوئی زیادتی ہو تو یہ کہیں جا سکیں۔ اس وقت یہ بالکل بے یارومددگار آسمان تلے بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی ان کو سننے والا نہیں ہے۔ جناب والا! آپ تو ساری چیز کو سمجھتے ہیں اور میرے خیال میں آپ ساری سمجھ بھی گئے ہوں گے کیونکہ آپ کو اس چیز کا تجربہ ہے تو میں آپ سے بھی گزارش کروں گا کہ ان کے لیے کوئی forum, کوئی appeal کوئی دلیل، کہیں کوئی سننے والا ہو تا کہ ان کے معاملات قانون کے مطابق طے ہو سکیں۔

Mr. Chairman: Wasim Sahib you are a very renowned lawyer, I think you will have to bring it in a Bill.

سینیٹر وسیم سجاد: میں یہی تو کہہ رہا ہوں کیونکہ Bill میں نے تو نہیں لانا ہے، حکومت Bill لے کر آئے گی، میں تو نہیں لا سکتا۔

Mr. Chairman: For creating a forum for the employees of the corporations who do fall within the ambit and definition of a worker.

سینیٹر وسیم سجاد: میرے خیال میں اگر Leader of the House آج اس پر کچھ بیان دے دیں تا کہ لوگوں کو تسلی ہو جائے۔۔۔۔

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد: ہم بھی وسیم سجاد کی تائید کرتے ہیں۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔

جناب چیئرمین: جی مشاہد اللہ صاحب آپ کچھ کہنا چاہیں گے۔

سینیٹر مشاہد اللہ خان: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ویسے تو رضا ربانی صاحب نے اور وسیم سجاد صاحب نے اس پر روشنی ڈال دی ہے۔ چونکہ میرا بھی تعلق trade union سے رہا ہے۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ یہ انتہائی کالا قانون ہے اور اس قانون کے آنے کے بعد جو تھوڑی بہت دادرسی تھی، ویسے تو اس ملک کے محنت کشوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے، چاہے وہ public sector کے ہوں یا private sector کے ہوں اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ بالکل aloof ہو چکے ہیں اور نہ انہیں

حکومتوں سے کسی قسم کی کوئی آس رہی ہے۔ پہلے contractual labour law نے تمام اداروں کا بیڑہ غرق کیا اور ان پر ظلم ہوتا ہے پانچ پانچ ہزار چھ چھ ہزار ہم کہہ تو دیتے ہیں لیکن لوگ انہیں تین تین ہزار روپے دیتے ہیں اور زبردستی ان سے زیادہ نوکریاں بھی کروائی جاتی ہیں۔ جناب والا! اس میں آپ یہ دیکھیں کہ Services Tribunal میں جانے کے بعد اس کی اپیل سپریم کورٹ میں ہے۔ سپریم کورٹ میں اپیل کا مطلب یہ ہے کہ ایک ورکر ساری زندگی کی تنخواہ اکٹھی کرے گا تو سپریم کورٹ کے وکیل کو دے گا، یہ آپ اور وسیم سجاد صاحب اچھی طرح سے جانتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ پھر وہ سپریم کورٹ میں جاتا ہی نہیں ہے۔ انصاف نام کی کوئی چیز ختم ہو چکی ہے۔ رضا ربانی صاحب نے جو تحریک پیش کی ہے میں اس کی بھرپور حمایت کرتا ہوں اور میں اس لیے بھی حمایت کرتا ہوں کہ اس وقت ملک کے جو حالات ہیں اس میں اس سوسائٹی میں جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں کو قومی دھارے میں لانے کے لیے آپ کو انصاف پر مبنی قوانین بنانے ہوں گے تاکہ وہ تھوڑا سا comfortable ہوں، انہیں کچھ انصاف ملے، عدلیہ بھی آزاد ہو چکی ہے، انصاف ملے گا تو وہ قومی دھارے میں آئیں گے ورنہ ملک کی integrity کے لیے اس طرح کے کالے قوانین انتہائی مضر ہیں۔

جناب چیئرمین: ڈاکٹر صفدر عباسی صاحب بہت بیتاب ہیں۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: جو بات ہو رہی ہے وہ beneficial legislation کی بات کر رہے ہیں، this should be beneficial legislation. جی ڈاکٹر صاحب۔

سینیٹر ڈاکٹر صفدر علی عباسی: جناب والا! مجھے اچھی طرح یاد ہے 10-06-1997 کو یہاں پر وسیم سجاد صاحب چیئرمین تھے، اس وقت کے وزیر قانون غالباً خالد انور صاحب تھے اور اس ایوان میں وہ اس Bill کو bulldoze کر رہے تھے۔ جناب رضا ربانی صاحب بھی موجود تھے، اعتزاز احسن صاحب Leader of the Opposition تھے اس وقت بھی ہم نے اس چیز کو resist کیا تھا کہ یہ Bill ultra vires of the Constitution ہے اور اگر آپ record نکال کر دیکھیں تو اس میں وہ ساری چیزیں آپ کو ملیں گی جس طرح آج وسیم سجاد صاحب نے کہا کہ سپریم کورٹ نے اس کو ultimately ultra vires declare کر دیا۔ میں وسیم سجاد صاحب سے اس حد تک ضرور اتفاق کرتا ہوں کہ corporations کے وہ لوگ جو officers cadre میں آتے ہیں ان کے لیے یقیناً ایک forum

کا مسئلہ رہا ہے لیکن جس طریقے سے اس وقت اس Bill کو bulldoze کیا گیا کیونکہ اس وقت تین چار Bills اکٹھے آ گئے تھے، ایک Services Tribunal Act میں یہ Section 2(a) ڈالا گیا اور ایک غالباً Banking Companies Ordinance amendment. تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بنیادی طور پر جو workers کے حقوق تھے اور جو trade unionism اس وقت پاکستان کے اندر تھا اس کو بری طرح crush کرنے کی کوشش کی گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم نے اس کو بہت resist کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ حکومت majority میں تھی، ہم minority میں تھے تو شاید ہم ان کو effectively روک نہیں سکے۔ میری نظر میں Section 2(a) بالکل workers' right یا نچلے level کے طبقات ہیں ان corporations کے، ان کو انہوں نے ایسے مخمصے میں پھنسا دیا کہ وہ بے چارے آہستہ آہستہ ان Corporations سے weed out ہوئے، لوگ نکالے گئے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو jobs سے محروم ہونا پڑا لیکن آج میں سمجھتا ہوں، جس طرح رضا صاحب نے کہا کہ Section 2(a) کی کمیٹی نے بھی منظوری دی ہے۔ میری عرض ہو گی کہ یہ ہاؤس بھی اس کی منظوری دے۔ جہاں تک officers cadre کا سوال ہے اس کارپوریشن والوں کے لیے تو اس کے لیے یقیناً میں وسیم صاحب کی support کروں گا کہ حکومت ان کے الگ فورم بنائے جس کے تحت ان کے case کو دیکھا جائے۔

جناب چیئرمین: اس کو لانا ضروری ہے for officers، جی میاں صاحب۔

Senator Mian Raza Rabbani: Sir, I agree with the Leader of the Opposition, there is a need, but just one clarification and that is, that in the two judgments of the Supreme Court on this issue they have divided the corporation employees into two sets. One are those corporations' employees which or governed or which are governed or which have statutory rules and the other are those which do not have statutory rules. For the ones who have statutory rules they have said that they can approach the FST.

جناب چیئرمین: جیسے الائیڈ بنک کیس جسٹس ظفر حسین شاہ والا۔

Senator Mian Raza Rabbani: So to that extent I agree with him that the Government should bring legislation for an alternative forum.

جناب چیئرمین: جی، جی بخاری صاحب۔

Syed Nayyer Hussain Bukhari (Leader of the House): Thank you,

جناب چیئرمین! ایسی legislation جس کو دونوں sides سے appreciate بھی کیا گیا۔ Certainly I appreciate Mian Raza Rabbani Sahib also proposing this Private Bill and it has gone through the Standing Committee also. اور جن apprehensions کا اظہار وسیم سجاد صاحب نے کیا workman although کی definitionمیں آنے والے لوگوں کو اس سے benefitہوگا اور Section 2(a) which would ultimately stand repealed from the Act, you now but certainly I would get in touch with the Ministry of Law and would suggest and convey the feelings of the House also that there is a need to bring some law which could provide a forum for the persons who do not fall under the definition of workman. Thank you.

Mr. Chairman: The question is that clause−2 does form part of the Bill?

(The motion was carried)

Mr. Chairman: We may now take up Clause−1, the Preamble and the Title of the Bill. The Question is that Clause−1, the Preamble and the Title do stand part of the Bill.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: Mian Raza Rabbani Sahib, please move Item No. 6.

The Removal from Service (Special Powers) Ordinance 2000 (Repeal) Bill 2009.

Senator Mian Raza Rabbani: Sir, I beg to move that the Bill further to amend the Services Tribunal Act 1973, [The Services Tribunal (Amendment) Bill, 2007] be passed.

Mr. Chairman: It has been moved that the Bill further to amend the Services Tribunal Act 1973 [The Services Tribunal (Amendment) Bill, 2007 be passed. The Bill stands passed unanimously.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: Mian Raza Rabbani Sahib, please move Item No.7.

Senator Mian Raza Rabbani: Sir, I beg to move that the Bill to Repeal the Removal from services (Special Powers) Ordinance, 2000 [The Removal from Service (Special Powers) Ordinance 2000 (Repeal) Bill, 2009], as reported by the Standing Committee, be taken into consideration at once.

Mr. Chairman: It has been moved that the Bill to Repeal the Removal from Service (Special Powers) Ordinance, 2000 [The Removal from Service (Special Powers) Ordinance 2000 (Repeal) Bill, 2009], as reported by the Standing Committee, be taken into consideration, at once.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: We may now take up second reading of the Bill that is clause by clause consideration of the Bill.

Senator Mian Raza Rabbani: Sir, may I say something on it?

Mr. Chairman: Yes, please. do you want a little speech on it?

Senator Mian Raza Rabbani: Yes, Sir.

Mr. Chairman: Please do that Mian Sahib. ‘

سینیٹر میاں رضا ربانی: جناب چیئرمین صاحب! میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ جناب چیئرمین صاحب! یہ بھی ایک کالا شاہ کالا قانون ہے جس کو اس وقت کے آمر وقت جنرل مشرف نے رات اندھیرے کے اندر 27 مئی 2002 کو ایک Ordinance کے ذریعے نافذ کیا اور اس قانون کے تحت تمام وہ rights جو government servants کو حاصل تھے وہ ایک draconian شکل کے اندر ان کا قلع قمع کیا گیا اور جناب چیئرمین اگر آپ اجازت دیں تو اس قانون کے preamble کے دو پیرے آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں جس کی وجہ ہی کافی ہے کہ اس قانون کو جو ایک ordinance کی شکل میں آیا اور پھر LFO کے تحت اس کو تحفظ دیا گیا اور پارلیمان کے اندر اس کو نہیں لیا گیا اور preamble کا ایک پیرا گراف کہتا ہے

“And whereas the National Assembly and the Senate stands suspended in pursuance of the proclamation of emergency of the 14the day of October, 1999 and the Provisional Constitution Order No. 1 of 1999. Now, therefore, in pursuance of the proclamation of emergency of the 14the day of October 1999 and the Provisional Constitution Order No.1 of 1999 as well as Order No.9 of 1999 and in exercise of all powers enabling him in that behalf the President of the Islamic Republic of Pakistan is pleased to make and promulgate the following Ordinance.”

جناب چیئرمین! یہ وہ کالا قانون ہے جو جنرل مشرف نے اپنے دور میں نافذ کیا اور پھر LFO کے ذریعے سے اس کو آئینی تحفظ دیا گیا اور اس قانون کو کبھی بھی پارلیمان کے اندر نہیں لیا گیا اور یہاں پر میں پھر اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ جس وقت شہید محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ ملک کے اندر واپس آئیں تو انہوں نے اس وقت پاکستان کے لوگوں کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ یہ کالا قانون removal from Services Special Powers Ordinance 2000 میں

آتے ہی منسوخ کروں گی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج میری یہ خوش قسمتی ہے کہ محترمہ شہید کے اس وعدے کو Private Members' Bill کے ذریعے سے میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: وسیم سجاد صاحب آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟

سینیٹر وسیم سجاد: میں سمجھتا ہوں اس قانون کی ضرورت بھی کوئی نہیں۔ یہ ایک Special Powers Ordinance بنایا گیا تھا لیکن اس کے علاوہ قوانین موجود ہیں، disciplinary قوانین موجود ہیں تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں اچھی بات ہے کہ اس کو منسوخ کر دیا جائے۔

Mr. Chairman: The question is that Clause-2 form part of the Bill.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: We may now take up Clause-1, the Preamble and the Title of the Bill. The question is that Clause-1, the Preamble and the Title do stand part of the Bill.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: The Clause-1, the Preamble and the Title stand part of the Bill. Mian Sahib please move Item No. 8.

Senator Mian Raza Rabbani: Thank you sir, Sir, I beg to move that the Bill to Repeal the Removal from Service (Special Powers) Ordinance 2000 [The removal from Service (Special Powers) Ordinance 2000 (Repeal) Bill 2009 be passed.

Mr. Chairman: It has been moved that the Bill to repeal [The Removal from Services (Special Powers) Ordinance 2000 [The Removal from Service (Special Powers) Ordinance 2000 (Repeal) Bill 2009] be passed.

(The motion was carried)

Mr. Chairman: Bukhari Sahib should we take up Item No.9 Motion Under Rule 194 or Adjournment Motion جس پر بحث ہو رہی ہے وہ لیا جائے کیونکہ میں آپ کو بتا دوں Under Rule 77 اور وسیم صاحب would bear me out that Adjournment Motion میں بحث ہو سکتی ہے دو گھنٹے۔ ایک گھنٹہ آپ بحث کر چکے ہیں اور ایک گھنٹہ باقی ہے۔ Speakers کی جو لسٹ اس وقت میرے پاس ہے اس میں 22 speakers ہیں۔ اس کو آپ کو curtail کرنا پڑے گا آپس میں مل کر تاکہ rules کی violation نہ ہو ور نہ rules suspend کرنا پڑیں گے۔ جیسے ہاؤس کا sense ہو اس کے مطابق پھر کر لیں گے۔ جی وسیم صاحب۔

سینیٹر وسیم سجاد: جناب چیئرمین! آپ کا اشارہ اس تحریک التواء کی طرف ہے جو زیر بحث ہے، کل Government day ہے اس میں اس پر بحث ہو سکتی ہے۔آج Private Members business کو نظر انداز نہ کیا جائے کیونکہ ہفتے میں ایک دن آتا ہے اور بہت سارے لوگوں کے motions ہیں، میرا، درانی صاحب کا اور دوسرے حضرات کے ہیں، ان کو لے لیتے ہیں اور تحریک التواء پر بحث کل ہو جائے گی۔ I think that is the sense of the House.

جناب چیئرمین: قائد ایوان صاحب۔

سینیٹر سید نئیر حسین بخاری: جناب والا! جیسے sense of the House ہے، ٹھیک ہے۔

جناب چیئرمین: اس کو پھر لے لیں گے۔

Now, we take up item No.9 motion under Rule 194 of Senator Talha Mahmood. Please move the motion.

Senator Muhammad Talha Mahmood: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ I move that the House may discuss the educational policy of the government.

Mr. Chairman: Secretary Sahib, please take the list of speakers. Speech shall not exceed 10 minutes. Movers may speak for 30 minutes maximum and the Minister in reply can also speak

but other speakers not more that 10 minutes. After the mover's speech, we will take other speakers also.

Senator Saeeda Iqbal: Sir, I have a privilege motion.

Mr. Chairman: Please the privilege motion.

Privilege Motion

Senator Saeeda Iqbal: Sir my privilege motion is about the attitude of the IGP Islamabad, whom I have tried to contact on several occasions but I have always been told that he is not available and I left my contact number but I have never received a reply from that quarter. Therefore, I consider a breach of privilege not myself as a Senator but of this august House. The motion may kindly be admitted against the attitude of IGP Islamabad.

Mr. Chairman: It is not opposed. We send it to the committee. Senator Talha Mahmood to please start discussion on the motion.

Discussion on the Educational Policy of the Government.

سینیٹر محمد طلحہ محمود: جناب چیئرمین! سب سے پہلے میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس اہم موضوع پر بات کرنے کا موقع فراہم کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری حکومت کی تعلیمی پالیسی جو چل رہی ہے اس لحاظ سے یہ بہت ہی اہم موضوع ہے اور اس سلسلے میں ہمیں ضرور سیر حاصل بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ تعلیم کو عام نہ کرے اور تعلیم کی اہمیت کو محسوس نہ کرے۔ ہمارے ملک کی بد قسمتی ہے کہ ہم نے تعلیم کو وہ اہمیت نہیں دی جو دینی چاہیے تھی۔ میں اس پر general discussion کروں گا۔ میں ویت نام گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں تعلیم کی 95% ratio ہے تو میں بڑا حیران ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ

کے ملک میں جو literacy rate 95% ہے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا شرح خواندگی کا گریڈ کیا ہے، کیا یہ پانچ گریڈ تک ہے یا چھ گریڈ تک ہے۔ میں حیران ہوا جب انہوں نے بتایا کہ at least 12 grade تک اور ہمارے ملک میں اس وقت ہم comparison کریں تو ہم اپنے GDP کا 2.2% تعلیم پر خرچ کر رہے ہیں۔ ہمارا ملک پیچھے جا رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ مختلف sections میں بٹا ہوا ہے جو امیر کا بیٹا ہے وہ بہت اچھے سکول میں جاتا ہے اور جو غریب کا بچہ ہے وہ اس وقت ہم ٹی وی پر بھی دیکھ رہے اور باقی جگہوں پر بھی ہم ان کی حالت زار دیکھتے ہیں، درختوں کے نیچے بیٹھ کر پڑھائی ہو رہی ہے، ٹاٹ پر بیٹھ کر پڑھائی ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکومت وقت کو تعلیم کو importance دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں اتنی up gradation ہو کہ یہ سب کے لیے عام ہو اور ہر بچہ، جس طریقے سے ہم باہر کے ترقی یافتہ ممالک کی مختلف چیزیں ضرور اپنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ چیزیں اپنانے کی کوشش نہیں کرتے جو ان کی positive ہیں اور جو ہمیں حاصل کرنی چاہیئیں۔ آپ دیکھیں کہ جتنے بھی ترقی یافتہ ممالک ہیں ان میں تعلیم کی کیا اہمیت ہے اور کس طریقہ سے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں پر چوکیدار کا بیٹا جس سکول میں جا رہا ہے اسی سکول میں ایک بہت بڑے businessman کا بیٹا بھی جا رہا ہے اور بہت بڑے bureaucrat کا بچہ بھی اسی سکول میں جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب ہم یہ قدر مشترک کریں تو اس سے بہتری آئے گی۔ تعلیم کے حوالے سے نہ صرف یہ کہ ہمارے حالات کے حوالے سے بلکہ ہمارے مذہبی حوالے سے ہمیں ہمیشہ یہی تعلیم دی گئی کہ تعلیم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اگر تعلیم کے میدان میں ہم اپنے آپ کو آگے لے کر جائیں گے تو ہمارا ملک ترقی کرے گا۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے تعلیم کے حوالے سے اپنے آپ کو اس طریقے سے upgrade نہیں کیا جیسا کہ کرنا چاہیے تھا۔ اسی وجہ سے آج مسلمانوں کا جو حشر ہو رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت بڑا کردار تعلیم کا ہے کیونکہ ہمیں جو تعلیم حاصل کرنی چاہیے تھی، مختلف sections میں ہمیں جو expertise حاصل کرنی چاہیے تھی، اس طرف ہم نے توجہ نہیں دی۔ آج امت مسلمہ کے پاس کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے، انہیں finance کے حوالے سے دیکھ لیں اور باقی معاملات کے حوالے سے کہ وہ کتنے مضبوط ہیں لیکن اس کے باوجود ہم سر جھکا کر بیٹھے ہوئے ہیں، ہم ان قوتوں کے سامنے لیٹ چکے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو upgrade کیا، اپنے آپ کو بہتر کیا اور تعلیم کے میدان میں ترقی کی آج وہ قومیں اس دنیا میں developed countries کی حیثیت سے موجود ہیں اور فخر اور عزت اور احترام کے ساتھ وہ اپنی زندگیاں گزار رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں

ان سے یہ چیزیں سیکھنے کی ضرورت ہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنے ملک کے اندر ہمیں تعلیم کو فروغ دینے کی ضرورت ہے بلکہ اس میدان میں ہمیں technical education کی طرف بھی جانے کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج ہمارا بھائی یا بچہ labour کے لیے تو مختلف ملکوں میں اکثریت کے ساتھ available ہے لیکن جب ہم technical حوالے سے جاتے ہیں تو اس میں ہمارے پاکستانی بھائیوں کی بہت کمزوری ہے کہ ان کے پاس وہ technical know how نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو وہ روزگار مہیا ہو جس سے نہ صرف یہ کہ ان کے گھروں میں خوشحالی آئے بلکہ foreign exchange کی صورت میں ہمارے ملک میں بھی بہتری آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہ صرف ہماری وزارت تعلیم کا مسئلہ ہے بلکہ ہماری Overseas Ministry, Labour and manpower Ministry جو اس سلسلے میں کردار ادا کر رہی ہیں، ان سے مختلف موقعوں پر جب میرا interaction ہوا تو وہاں مجھے یہی gap نظر آیا کہ ہم لوگ تعلیم میں بہت پیچھے ہیں۔

جناب والا! ہمیں آزاد ہوئے باسٹھ سال ہو چکے ہیں، ازبکستان سنٹرل ایشیا کا ایک چھوٹا سا ملک ہے اس ملک میں میرا جانا ہوا، 1991 میں یہ Russian countries معرض وجود میں آئی ہیں۔ میں آذربائیجان گیا وہاں پر شرح خواندگی 98% تک ہے اور اسی طرح ازبکستان میں، میں نے سنا ہے 99% شرح خواندگی ہے۔ یہ ممالک اپنے GDP کا 8, 9, 10, 12 per cent تک تعلیم پر خرچ کرتے ہیں اور تعلیم کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس مرتبہ جب میرا ازبکستان جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے موجودہ اور دو، تین سال پہلے کے ازبکستان کا موازنہ کیا جب میں وہاں گیا تھا تو آج وہ بہت آگے ہیں۔ بہت تیزی کے ساتھ اوپر جا رہے ہیں جب کہ ان کے پاس وہ privileges نہیں ہیں جو اس وقت ہمارے ملک کو حاصل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری حکومت کو تعلیم کو بہت زیادہ importance دینے کی ضرورت ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ expense کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی monitoring کرنے کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت بھی جو سکول ہمارے پاس ہیں میری معلومات کے مطابق وہ صرف کتابوں کے اندر ہیں اور وہاں پر تعلیم کے حوالے سے جو facilities ہیں وہ دستیاب نہیں ہیں۔ اساتذہ حضرات صرف attendance پر focus کرتے ہیں پڑھائی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے دس، دس، بارہ، بارہ سال کے بچے labour کے کام کر رہے ہیں، جوتے پالش کر رہے ہیں۔ ہم اپنی قوم کو کس طرف لے کر جا رہے ہیں۔ ہم اپنی قوم کو کیا مستقبل دینا چاہ رہے ہیں؟ کیا ہم اپنی قوم سے جوتے پالش کروانا چاہتے

ہیں؟ کیا ہم اپنی قوم سے اپنی موٹر سائیکلز مرمت کرانا چاہتے ہیں؟ ہمیں اسے upgrade کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اسے زیادہ سے زیادہ importance دینے کی ضرورت ہے۔ یہ کام حکومت وقت کا ہے۔ تعلیم کو جو due importance ملنی چاہیے وہ نہیں مل رہی ہے۔ میری اس سلسلے میں کچھ تجاویز ہیں۔

تعلیمی بجٹ میں اضافہ کیا جائے۔ ایک جیسا نظام ملک میں متعارف کرایا جائے۔ شہری علاقوں کے ساتھ دیہی علاقوں میں بھی تعلیم کی مناسب سہولیات مہیا کی جائیں۔ غریب افراد کے بچوں کے لیے مفت تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ Ghost سکولوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے اور ان کے ذمہ داران کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے۔

سب سے اہم تجویز یہ ہے کہ اساتذہ کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے کیونکہ جو اساتذہ وہاں پڑھانے آتے ہیں ان کی کیا capability ہے، ان کا کیا caliber ہے اور اس پر مجھے doubt ہے۔ تعلیم اداروں کی کارکردگی جاننے کے لیے مؤثر monitoring system بنایا جائے اور اس پر سختی سے عمل کیا جائے۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ ادارے جو اس وقت ایک business کا گڑھ بن چکے ہیں، کروڑوں اور اربوں روپیہ سمیٹ رہے ہیں ان کی سخت monitoring کی ضرورت ہے۔ اگر ان کا یہ business ہے تو وہ بھی ایک reasonable حد تک ہونا چاہیے۔ یہاں پر دس سے پندرہ ہزار تک per month fees لی جا رہی ہیں اس کے لیے کوئی نظام بنایا جائے، قانون سازی کی جائے تاکہ جو فیسیں یہ لوگ charge کرتے ہیں وہ reasonable ہوں۔ ہمارے تعلیمی نصاب کو اسلامی اور ملکی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔

جناب چیئرمین! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، اپنے دوستوں کو time دینا چاہتا ہوں۔ میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں to the point بات کروں۔ یہ بہت اہم issue ہے۔ جناب! اس میں آپ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہو گا۔ ہماری جب کبھی بھی آپ سے اس قسم کے معاملات کے بارے میں بات چیت ہوئی ہے تو آپ بہت importance دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس مسئلے کو بھی آپ بہت اہمیت دیں گے۔ یہ ہمارے پورے ملک کا مسئلہ ہے۔ ہمارے کروڑوں بچوں کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ انشاء اللہ ہمارا ادارہ اس میں اپنا اہم کردار ادا کرے گا۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی ہمایوں خان۔

سینیٹر محمد ہمایوں خان: ہمارے دوست طلحہ محمود صاحب نے اس ایوان کی توجہ ایک بہت اہم مسئلے کی طرف دلائی ہے اور میں اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تعلیم کو ہمارے مذہب نے بہت اہمیت دی ہے، اس کے تحت تعلیم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔ ایک حدیث بھی اس بارے میں ہے کہ تعلیم کے لیے اگر چین بھی جانا پڑے تو چلے جاؤ۔ اس سے زیادہ تعلیم کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟

جب تاریخی پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں تو مسلمان تعلیم کے میدان میں سب سے زیادہ آگے تھے۔ اس وقت پوری دنیا پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ سائنس کی ابتدا بھی مسلمانوں سے ہی ہوئی ہے۔ ابن سینا کی کتابیں جن کو medical profession follow کرتا رہا ہے لیکن بدقسمتی سے جب مسلمانوں نے تعلیم اور سائنس کو پیچھے چھوڑ دیا تو ہم پستی میں چلے گئے اور دوسری قومیں جیسے یورپ اور امریکہ نے اس کو اہمیت دی اور آج وہ ہر میدان میں ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ انسانوں کی تعلیم کو business کے perspective میں human resource development بھی کہتے تھے اور اب اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے اسے human capital کہتے ہیں۔

اگر آپ یورپ اور Far East کو دیکھتے ہیں تو ان کے پاس قدرتی وسائل بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن یہ تعلیم ہی ہے جو انہوں نے اپنے لوگوں کو دی ہے جس کی وجہ سے آج وہ ہم سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ آپ جاپان، کوریا، تائیوان، ملائشیا، Western Europe اور امریکہ کی مثال لیں، امریکہ میں تو natural resources ہیں لیکن دوسرے ملکوں کے پاس بالکل نہیں، لیکن اگر آپ 57 اسلامی ملکوں کی combined GDP کو Japan کی GDP سے compare کرتے ہیں تو وہ جاپان کی GDP کے half سے بھی کم ہے جب کہ 50% سے زیادہ قدرتی وسائل مسلمانوں کے پاس ہیں، اس کے باوجود ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پاکستان کا تعلیمی نظام تین متوازی systems پر چل رہا ہے۔ ایک Government schools ہیں جن میں سے بہت ساری تعداد ghost schools کی ہے۔ اگر اساتذہ اور students کی attendance کے حساب سے دیکھیں تو quality کا فقدان ہے۔

دوسری طرف private english medium schools ہیں اس میں بھی quality کا مسئلہ ہے لیکن وہ قدرے بہتر ہے۔

تیسری طرف مدارس ہیں جو مذہبی تعلیم تو دے دیتے ہیں لیکن جو طلباء وہاں سے پگڑی باندھ کر ملا بن کر باہر نکلتے ہیں تو پھر ان کے پاس کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اگر ہم ترقی یافتہ ملکوں کے نظام تعلیم کو دیکھتے ہیں تو وہاں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جہاں تین educational parallel systems ایک ساتھ چل رہے ہوں۔ میری حکومت سے یہ درخواست ہے کہ اس نظام کو upgrade کرنے کے لیے جو بھی اقدامات کرنے چاہییں وہ کریں۔ اس سے ایک طبقاتی سسٹم بھی develop ہو رہا ہے کہ ہمارے ہاں جو انگریزی جانتا ہے اس کی ایک الگ class ہے اور جو نہیں جانتا اس کی ایک علیحدہ class ہے۔

میری اس ضمن میں کچھ سفارشات ہیں کہ سکولوں کی سطح پر سب سے پہلے توجہ teachers کی recruitment پر دی جائے، بجائے اس کے کہ district level پر DEOs ان کو appoint کریں۔ Provincial headquarters میں ان کی recruitment ہونی چاہیے، چاہے interviews or written tests ہوں یا CVs کا analysis ہو اور recruitment کے بعد ان کی proper training ہونی چاہیے۔ اگر بغیر proper training کے اساتذہ کو سکولوں میں بھیجا جاتا ہے تو اس سے ہمارے بچوں کا future at risk ہوتا ہے۔

سکولوں کی monitoring کے لیے ہر سکول میں teachers parents committee ہونی چاہیے کیونکہ والدین کا کردار بھی اس میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کمیٹی کو power دی جائے کہ اگر وہ schools صحیح نہیں چلتے، standards گر رہے ہوں تو وہ گورنمنٹ کو report کریں تاکہ حکومت ان کے خلاف action لے سکے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے female teachers کو appoint کیا جائے کیونکہ وہ کم تنخواہ میں بھی زیادہ بہتر quality کی تعلیم دے سکتی ہے خاص طور پر پرائمری سطح پر جہاں پر چھوٹے بچے ہوتے ہیں اور ان کو ماں کی ممتا اور شفقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے بجٹ میں تعلیم کے لیے بہت کم رقم allocate کی گئی ہے تو میری یہ گزارش ہے کہ یہ رقم کسی اور مد سے بھی کاٹنی پڑے تو ایسا کر کے تعلیم کو فوقیت دی جائے۔ ہمارا اصل اثاثہ یہ 160 million population ہے اس کو develop کیا جائے تاکہ ہم اس کو export بھی کر سکیں اور اپنے ملک کو بھی بنا سکیں۔
شکریہ۔

Mr. Chairman: Thank you. Mr. Wasim Sajjad sahib.

سینیٹر وسیم سجاد :جناب چیئرمین! میں آپ کا شکر گزار ہوں اور جناب محمد طلحہ محمود صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ یعنی کہ پاکستان کے ایک بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے انہوں نے یہ motion اس ایوان میں پیش کیا۔ اب میں نے دیکھا ہے کہ سینیٹر حضرات ملکی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اہم مسائل کو اس ایوان میں زیر بحث لاتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد پر کوئی پروگرام بنے اور کوئی پالیسی بنے تاکہ عوام کو فائدہ ہو سکے لیکن میں آج یہ دیکھ رہا ہوں کہ ایجوکیشن کا مسئلہ زیر بحث ہے لیکن مجھے کوئی ایجوکیشن کا وزیر یا ایجوکیشن سیکرٹری نظر نہیں آرہا ہے۔ تو مجھے بتایا جائے کہ ان تمام تقاریر کا کیا فائدہ ہے؟ ہم اگر یہاں پر تقریر کرتے ہیں اس لیے تو نہیں کرتے یہ کوئی debating chamber ہے کہ یہاں پر آ کر ہم نے تقریر جھاڑ دی اور جواب آ گیا۔ یہاں پر تو موجود ہونا چاہیے تھا ایجوکیشن منسٹر کو تاکہ وہ ہماری تجاویز کو دیکھتے، سنتے اور یہ ان کا حق ہے کہ وہ ہم سے اتفاق نہ کریں لیکن اتنا تو فرض بنتا ہے حکومت کا کہ جو بھی یہاں پر بات کی جائے، یہاں پر ہمایوں صاحب نے اور طلحہ محمود صاحب نے بات کی ہے یا اور دیگر ہمارے ممبران بات کریں گے۔ ان پر غور کیا جائے، رد کیا جائے یا ان سے اتفاق کیا جائے لیکن یہ حکومت کی ایسی لاپرواہی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم Green World میں رہ رہے ہیں، کوئی پرواہ نہیں ہے، کوئی تقریر کر رہا ہے یا کچھ کر رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت لے آئے ہیں، ہم تو صحیح چلیں گے۔ تو مجھے افسوس ہے کہ اتنے اہم مسئلے پر یہاں کوئی سننے کے لیے نہیں ہے تو میں کیا تقریر کروں گا۔ کس کے سامنے یہ بات کروں، کون میری بات سنے گا؟ لیکن بہر حال ہو سکتا ہے کہ میرے بھائی جو پریس والے ہیں وہی یہ باتیں سن کر لکھ دیں پھر شاید وزیر صاحب ان کو پڑھ لیں۔

جناب چیئرمین: نیئر بخاری صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔

سینیٹر وسیم سجاد: نیئر بخاری صاحب! بے چارے بڑی کوشش کرتے ہیں لیکن چالیس منسٹریوں کو یہ کیسے سنبھالیں گے؟ ایک واحد شخص بے چارے ساری حکومت کو کندھوں پر اٹھائے پھر رہے ہیں۔ اگر یہی انہوں نے کرنا ہے تو میرے خیال میں سارا ایوان کہے گا کہ صرف ان کو وزیر اعظم یا ڈپٹی وزیر اعظم بنا دیں باقی سب کو برخاست کر دیں۔ کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ خالی نیئر بخاری صاحب کافی ہیں۔ ہر ایک چیز کا جواب دیتے ہیں۔ ان کو بنا دیا جائے۔

تو جناب والا! تعلیم پر بات کرتے ہوئے اس امید سے کہ 3rd hand سے کہیں نہ کہیں خبر پہنچ جائے گی۔ شاید وزیراعظم صاحب تک پہنچ جائے۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ پاکستان میں اور ایک ترقی یافتہ مغربی ملک میں کیا فرق ہے تو میں کہوں گا کہ تعلیم؟ اگر ہم پیچھے ہیں، اگر ہماری انکم کم ہے، اگر ہمارے ملک میں غربت ہے اور اس کی کیا وجہ ہیں؟ تو میرا جواب ہوگا کہ تعلیم۔ نہ صرف تعلیم کی کمی ہے۔ تعلیم کی کمی تو لوگ literacy rate سے لگاتے ہیں کہ یہاں پر 70% ہے اور یہاں پر 80% ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ 70% اور 80% اتنا اہم نہیں ہے جتنا یہ ہے کہ کس معیار کی تعلیم دی جا رہی ہے؟ یعنی کس کوالٹی کی تعلیم دی جا رہی ہے؟ تیسری چیز یہ ہے کہ کس مقصد کے لیے تعلیم دی جا رہی ہے؟ تو یہ چیزیں ہیں۔ اب رحمٰن ملک صاحب تشریف لے آئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ میری بات سن کر آئے ہوں لیکن میں پھر ان سے کہوں گا کہ تعلیم سے تو ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تو بہرحال جناب والا! میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ تعلیم ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر پاکستان صدیوں آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہے کہ ہندوستان میں بھی تعلیم کا معیار اور تعلیم کا جو پروگرام ہے وہ ہم سے بہت بہتر چل رہا ہے۔ یہاں پر یہ ہو رہا ہے کہ جو پہلے ہمارا ایک تعلیمی نظام تھا اور اسی تعلیمی نظام کے تحت بے شمار لوگ religious scholars بھی نکلے ہیں، سائنسدان بھی نکلے ہیں اور ڈاکٹر عبدالسلام بھی یہیں سے پیدا ہوئے تھے، اسی نظام سے نکلے ہیں لیکن آج بتدریج وہ زوال کی طرف جا رہے ہیں۔ اس لیے حکومت کو یہ سوچنا چاہیے۔ نمبر ایک، تعلیم کو کیسے عام کیا جائے؟ وہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔

دوسرا، یہ ہے کہ جس طرح میرے دوستوں نے کہا کہ یہاں پر three tier system چل رہا ہے۔ یہ tier system ایک religious schools ہیں، ایک English schools ہیں اور ایک Urdu Schools ہیں۔ اس کی وجہ سے اس سوسائٹی میں ایک تقسیم آ رہی ہے اور یکساں مواقع جو ہونے چاہییں ایک قوم کو آگے بڑھنے کے لیے وہ پاکستان میں نہیں ہیں۔ میں نے نہیں، ہماری پارٹی نے ایک تجویز دی تھی Constitutional Reforms Committee کو کہ تعلیم کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا جائے، یعنی ہر بچے کا، ہماری تجویز یہ تھی کہ پانچ سال سے لے کر تقریباً پندرہ سال تک ہر بچے کا بنیادی حق ہونا چاہیے، بنیادی حق کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت سے demand کر سکے کہ جی مجھے تعلیم دی جائے، جس طرح کہا جاتا ہے کہ خوراک پر حق ہے، پانی پر حق ہے اور زندگی پر حق ہے۔ اسی طرح تعلیم کا حق تسلیم کیا جائے اور مجھے خوشی ہے کہ اس پر ایک constructive approach کا

جواب آیا ہے اور بہت سارے ممبران اس پر متفق ہیں کہ تعلیم کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا جائے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف تعلیم پر حق تسلیم کیا جائے اور سکول بنیں بلکہ سکول یہ نہیں کہ ایک بچہ ہے اور سکول اس سے 100میل یا 50میل دور واقع ہے۔ ہر علاقے میں سکول ایسے مقامات پر بننے چاہیے کہ اس علاقے کی بچیاں اور بچے آسانی سے وہاں پر تعلیم حاصل کر سکیں۔

نمبر 2۔ اس تعلیم کا اور اس سکول کا کیا فائدہ ہے کہ اگر وہاں پر استاد نہیں ہوں گے یا وہاں پر پڑھانے والے نہیں ہوں گے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ صورتحال میں بھی بے شمار ایسے سکولز ہیں جن کا کاغذوں میں تو لکھا ہوا ہے کہ یہ تعلیمی ادارہ ہے اور یہاں پر پڑھانے والے موجود ہیں لیکن دراصل وہاں پر کوئی نہیں ہوتا ہے۔ جب تعلیم کی ہم بات کرتے ہیں تو ہمیں بہترین دماغ تعلیم کی طرف راغب کرنا چاہییں، یہ نہیں کہ ایسے لوگ جو دوسرے کاموں میں ناکام ہیں وہ تعلیم کی طرف آئیں۔ ہمیں ایسی سہولتیں دینی چاہییں اور ان سہولتوں کی ان علاقوں میں زیادہ ضرورت ہو گی، مثلاً دیہاتی علاقے ہیں اور گاؤں ہیں، وہاں پر لوگوں کو مشکلات ہوتی ہیں لیکن وہاں پر ان کو ایسی سہولتیں دینی چاہییں، ان کو زیادہ الاؤنسز دینے چاہییں تاکہ ان کی جو مشکلات ہیں وہ کم ہو سکیں اور اچھے سے اچھے لوگ، بہترین لوگ اس شعبے میں آئیں جہاں پر تعلیم ہو۔ کیونکہ یہ جو تعلیم دینے والا ہوتا ہے وہ اصل میں قوم کا معمار ہوتا ہے، اس کو ہمیں عزت بھی دینی چاہیے اور عزت دینے کے لیے اس کو اتنا کم از کم معاوضہ دینا چاہیے کہ اور جو سرکاری شعبے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی گریڈ 17 کا جس طرح انٹری ہوتی ہے حکومت میں، استاد کو اس سے ڈبل تنخواہ ملنی چاہیے تاکہ وہ بہترین دماغ ہو۔

جناب والا! میں نے باہر کی یونیورسٹیوں میں دیکھا ہے، آکسفورڈ ہے، کیمبرج ہے اور ہارورڈ ہے، کہ جو بہترین لوگ ہوتے ہیں، یعنی جو بہترین دماغ ہوتے ہیں ان کی پہلی ترجیح ہوتی ہے کہ ہم تعلیم کے شعبے میں جائیں۔ وہاں پر بھی سول سروس ہے، وہاں پر انڈسٹریز ہے، وہاں پر بھی لوگوں کو زیادہ معاوضے ملتے ہیں لیکن تعلیم کے اندر اتنی سہولتیں موجود ہیں کہ ایک شخص جو کہ بہترین دماغ رکھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک باعزت زندگی اس شعبے میں گزار سکتا ہوں اور معاشرہ بھی اسے ایک باوقار اور باعزت زندگی دینے کا حق تسلیم کرتا ہے، ان کو عزت بھی ملتی ہے، ان کو knighthood بھی ملتی ہے، ان کو recognition بھی ملتی ہے اور یہ وہ چیزیں ضروری ہیں کہ تعلیم کے معیار کو بہتر کرنا ہے۔

جناب والا! اس سے ایک اور چیز جو بہت اہم ہے، میرے خیال میں اب ہمیں احساس کرنا چاہیے کہ مغربی ممالک مسلمان ملکوں کو اور پاکستان کو بالخصوص جو حساس قسم کی تعلیم ہے، ایٹمی

ٹیکنالوجی کی تعلیم ہے اور یہ جو زیادہ جدید علوم ہیں ان میں وہ پاکستانیوں کو اب داخلے نہیں دیتے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک میں ایسی سہولیات پیدا کریں یا اسلامی دنیا میں یہ احساس دلوایا جائے کیونکہ اسلامی دنیا میں پیسہ بھی ہے اور resources کی کمی نہیں ہے۔ یہ یونیورسٹیاں سعودی عرب میں بنیں، قاہرہ میں بنیں اور اسلام آباد میں بنیں تاکہ مسلمان ملکوں کے بچے بہترین تعلیم حاصل کر سکیں۔ بہترین تعلیم کے ادارے یہاں پر ہونے چاہییں جن کا مقابلہ ہارورڈ، کیمبرج سے اور آکسفورڈ سے کیا جائے اور مغربی ممالک سے بھی لوگ یہاں آنے کو ترجیح دیں۔ اس قسم کے ادارے بننے چاہیئں اور اس کے لیے میں سمجھتاہوں ہماری حکومت کو کوشش کرنی چاہیے کہ دوسرے جو مسلم ممالک ہیں ان کے ساتھ مل کر ان سے کہا جائے کہ دیکھیں اس کے لیے مشترکہ کوششیں کرتے ہیں۔ پیسے بھی ہیں resources بھی ہیں ہمارے پاس manpower بھی ہے۔ ہم باہر سے manpower بھی لا سکتے ہیں ان لوگوں کو جمع کیا جائے۔ ہم اپنے علاقوں میں، اپنے ملکوں میں ایسی universities بنائیں تاکہ یہاں atomic energy, missiles energy, laser energy, medicines میں research پر ہورہی ہے۔ دنیاجہاں کی چیزوں میں ہورہی ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلم ممالک میں نہیں ہورہیں اس کی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔ research کی کمی ہے۔ جناب والا! میرے خیال میں کسی اور موقع پر یہ اٹھاؤں گا کیونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ چند منٹوں اور چند گھنٹوں میں پورا نہیں ہو سکتا۔ میں چاہوں گا کہ آئندہ جب میں یہ بات کروں یا ہمارے دوست یہ بات کریں تووزیر تعلیم یہاں موجود ہوں میں توکہوں گا کہ وزیر اعظم صاحب یہاں موجود ہوں یہ پاکستان کا ایک بنیادی مسئلہ ہے یہ تمام مسائل سے زیادہ اہم مسئلہ ہے اس پر جتنی توجہ دی جائے جتنا اس پر غور کیا جائے کم ہوگا۔ پاکستان کا مستقبل، بہتر تعلیم اور اعلیٰ معیار کی تعلیم میں ہے اور اس کی طرف ہمیں بڑھنا چاہیے۔ شکریہ جناب۔

جناب چیئرمین: شکریہ، مشاہد اللہ صاحب۔

سینیٹر مشاہد اللہ خان: جناب چیئرمین! یہ وسیم سجاد صاحب نے جو آخری بات کی ہے کہ اتنا اہم اور اتنا بڑا issue ہے کہ اس پر چند منٹوں یا چند گھنٹوں میں بات نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ کسی بھی قوم کا یا اس دنیا کا بنیادی مسئلہ تعلیم ہی ہے اور ہم تو مسلمان ہیں۔ رسول پاک ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی۔ (اقراء با سم ربک الذی خلق) اقراء کا مطلب تعلیم ہے۔ پڑھ، پہلی وحی کا پہلا لفظ ہے، تو اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس ملک میں ہم بہت سارے مسائل کا شکار ہیں اور

ذاتی طور پر ان مسائل کی وجہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی بنیاد صرف یہ ہے۔ میں تعلیم کی کمی کی بات نہیں کر رہا ہوں اس لیے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابھی تک اس بات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا ہمارے ملک میں خاص طور پر کہ تعلیم ہے کیا چیز؟ کسی نے اس کی definitionہی نہیں کی۔ اکثر سننے میں آتا ہے بلکہ یہاں پر لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر literacy rateاتنا ہو گیا ہے اتنا نہیں ہوا، کوئی کہتا ہے کہ 50%ہو گیا ہے کوئی کہتا ہے % 35 ہو گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج پاکستان میں خصوصی طور پر اور دنیا میں عمومی طور پر تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو انگریزی کتنی بولنی آتی ہے۔ جبکہ کوئی بھی زبان جو ہوتی ہے وہ itself کوئی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اور آپ وہ تعلیم چاہے انگریزی میں حاصل کریں، چاہے فرنچ میں حاصل کریں، چاہے جرمن میں کریں یا عربیک میں کریں یا اردو میں کریں۔ ہم آج تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے جناب چیئرمین! کہ ہمارے بچوں نے کس زبان میں تعلیم حاصل کرنی ہے۔ پہلی بنیادی بات یہ ہے اور دوسری بات یہ کہ ہمارے بچوں کو آج تک یہ نہیں پتا کہ ہم نے پڑھنا کیا ہے۔ انہیں یہ نہیں پتا کہ literacy ہے کیا؟ ہمارے بچے مختلف قسم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جب پاکستان بنا تھا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت کے لوگ زیادہ بہتر تھے اس وقت اچھی اچھی باتیں سلیبس میں تھیں۔ بڑی اچھی اچھی نظمیں

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

یا پھر

عرش کے راندہ ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پہ ہاتھ پھیلائے ہوئے
حق پرستوں کی اگر تو نے دلجوئی نہیں کی
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

اس طرح کی نظمیں بچوں کو پڑھائی جاتی تھیں لیکن آج ثریا کی گڑیا سو رہی ہے اس کو جگاؤ، یا ٹوٹ بٹوٹ کی موٹر کار، مطلب ثریا کی گڑیا سوئے گی یا جاگے گی اس میں message کیا ہے یا ٹوٹ بٹوٹ کی موٹر کار وہ چل رہی یا نہیں چل رہی ہے اس سے ہمارے بچوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن آپ یہ دیکھیے مجھے افسوس اس بات کا یہ ہے کہ آج کا بچہ پڑھ کر آ رہا ہے اور خاص طور پر ruling class جو Roots سے یا Beacon House یا امریکن سکول سے پڑھ کر آ رہے ہیں ہمارے آج کل کے لوگوں کی ساری توجہ اس بات پر ہے کہ ہمارا بچہ امریکن سکول میں پڑھ لے لیکن اسے یہ معلوم نہیں

ہے کہ اسے syllabus کیا پڑھایا جارہا ہے وہاں پر آج کی ہر story کا Hero کوئی John ہے کوئی Michel ہے لیکن محمد بن قاسم کو وہاں نہیں پڑھایا جاتا۔ صلاح الدین ایوبی کو نہیں پڑھایا جاتا وہاں جب بھی کوئی مضمون بڑھایا جاتا ہے تو وہاں پر ولن کو خاص طور پر داڑھی والے کو رکھا جاتا ہے۔ امریکن سکول اس ملک میں اسلام سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ٹھیک ہے John/Michel پڑھائیں اسلام کے اندر ہماری سرحدیں نہیں ہیں لیکن بھائیو! اپنے لوگوں کو کیوں بھول رہے ہو۔ ہمارے اتنے بڑے بڑے Heroes تھے۔ آج کا جو بچہ ہے جو خاص طور پر امریکن سکول سے پڑھ کر نکل رہا ہے اس کو علم کیا ہے نویں دسویں کلاس کے بچوں کو تو پارٹیاں سکھائی جاتی ہیں۔ جناب والا! میں آپ سے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آپ علم حاصل کریں گے تو اس سے دانش پیدا ہوتی ہے، فکر کرنے کی عادت ہوتی ہے لیکن کوئی دانشور بیکن ہاؤس سے آج تک نکلا ہے۔نکلے گا بھی نہیں، اور میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ عام بچے جو ہیں۔ جو ٹاٹ کے سکولوں میں پڑھتے ہیں جو غریب کے بچے ہیں، جو کلرک کے بچے ہیں، جو محنت کش کے بچے ہیں، جو ایک contractor employee کے بچے ہیں، جو کسان کے بچے ہیں انہیں ہم کس سکول میں پڑھا رہے ہیں۔ ان کے حالات کار کیا ہیں، ان کے سکول کیسے ہیں ان کے کلاس رومز کیسے ہیں۔ ان کے teachers کیسے ہیں۔ان کو ہم کیا تعلیم دے رہے ہیں۔ جناب چیئرمین صاحب! میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں اس بات کا فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہم نے کس زبان میں تعلیم حاصل کرنی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں ایک قوم ایسی نہیں ہے جس کی کوئی مثال یہ دے سکیں کہ اس نے کسی غیر کی زبان پڑھ کر ترقی کی ہے جس نے ترقی کی ہے اور تیزی سے ترقی کی ہے انہوں نے اپنی زبان میں پڑھ کر ترقی کی ہے اور انہوں نے سائنس کو اور دنیا کے modern ترین جو علوم ہیں ان کو اپنی زبان میں پڑھ کر تیزی سے ترقی کی ہے۔ یہ غلامی کی جو سوچ ہے کہ ہم انگریزی پڑھ کر ترقی کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں اس ملک کے 50% بچے ایسے ہیں جو اس لیے تعلیم حاصل نہیں کرتے کہ انہیں انگریزی میں ہر مضمون پڑھنا پڑتا ہے۔ انگریزی بہت کم لوگوں کو آتی ہے اور لوگ انگریزی سے جان چھڑاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے میٹرک کے بعد نوکری کریں گے لیکن آج اس ملک کے بیشمار مسائل اس لیے ہیں کہ ہم غیر کی زبان سمجھتے نہیں۔ بڑے بڑے انگریزی دان بھی ہکلا رہے ہوتے ہیں آپ نے دیکھا ہو گا۔وہ اس کی روح کو نہیں سمجھتے۔آج ہمارے تمام قوانین انگریزی میں ہیں اس لیے اس کو exploit کیا جاتا ہے چونکہ عام آدمی کو پتا نہیں ہوتا وہ بیچارہ باہر سے آکر کسٹم میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کو انگریزی میں

قوانین سمجھاتے ہیں اس کو سمجھ میں نہیں آتا اور اس کے نتیجے میں وہاں رشوت لی جاتی ہے۔ اسی طریقے سے ہر ڈیپارٹمنٹ میں یہی حال ہے۔ وہ ہے نہ جناب!

علم نے خون رگ جان دیا اور نہ مرا ــــ علم میں جو زہر کا پیمانہ پیا اور نہ مرا
علم سقراط کی آواز ہے عیسٰی کا لہو ــــ علم گہوارہ ہو سیارہ ہو انجام نمو
علم عباس علمدار کے زخمی بازو ــــ علم بیٹے کی نئی قبر پر ماں کے آنسو
وادی ابر میں قطروں کو ترس جائے گا ــــ جوان اشکوں پر ہنسے گا وہ جھلس جائے گا

لیکن آج ہو کیا رہا ہے۔ آج یہ ہو رہا ہے وہ ہے نا۔

تم نے ہر دور میں دانش پر کئی وار کیے ــــ جبر کے منہ میں دہکتے ہوئے الفاظ دیئے
اپنی آسائش یک عمر گزیزاں کے لیے ــــ سب کو تاراج کیا تم نے مگر تم نہ جیئے

بات یہ ہے کہ دانش کو اس ملک میں قتل کیا جا رہا ہے۔ مجھے بتائیں آج سے 30 سال پہلے بہت بڑے بڑے لوگ پیدا ہوتے تھے۔ بڑے صحافی پیدا ہوتے تھے، بڑے بڑے سیاستدان پیدا ہوتے تھے، بڑے بڑے ادیب پیدا ہوتے تھے، بڑے بڑے شاعر پیدا ہوتے تھے۔ آج تو پیدا نہیں ہو رہے۔ کیا اس نظام تعلیم کا یہ قصور نہیں ہے۔ بلکہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آج سے تیس سال پہلے جو لوگ بہت بڑے تھے انہوں نے اس نظام کو بہت چھوٹا کر دیا بہت سارے لوگ آج بھی زندہ ہیں۔ جناب والا! میں آپ سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں جس طرح سے وسیم سجاد صاحب نے کہا کہ وزیر تعلیم کو ہونا چاہیے وزیر اعظم صاحب کو ہونا چاہیے اور جب تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہوگا ہم ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے ہم بتاتے رہیں گے کہ ہماری 50% literacy ہے۔ میں یہ کہتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے ملک میں literacy rate بڑھا ہے تو وہ برطانیہ کا بڑھا ہے اور ہمارے ملک میں بڑھا ہے ہماری literacy rate روزانہ کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم نے۔۔۔۔

جناب چیئرمین: مشاہد اللہ صاحب conclude کر لیں۔

(اس مرحلے پر ایوان میں اذان مغرب سنائی دی)

جناب چیئرمین: جی مشاہد اللہ صاحب conclude کر لیجیے۔

سینیٹر مشاہد اللہ خان: جی conclude کروں گا۔ ویسے آپ نے پچھلی دفعہ مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگلی دفعہ زیادہ ٹائم دوں گا۔

جناب چیئرمین: مشاہد صاحب! آپ کوئی motion move کریں۔ you will get thirty minutes.

سینیٹر مشاہد اللہ خان: ویسے آپ وعدہ خلافی کرنے والے نہیں ہیں نہ آپ معاہدہ کر کے توڑنے والے ہیں۔

جناب چیئرمین: مشاہد اللہ صاحب ماشاء اللہ you can speak for hours.

سینیٹر مشاہد اللہ خان: چلیں میں آپ کے حکم کے مطابق ختم کر دیتا ہوں۔

جناب چیئرمین: آپ ماشاء اللہ اچھا بولتے ہیں۔

سینیٹر مشاہد اللہ خان: بڑی آپ کی کرم فرمائی اور بڑی نوازش آپ کی۔

جناب چیئرمین: آپ اچھا بولتے ہیں۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ آپ ایک motion لائیے۔ اس میں آپ کو 30 منٹ ملیں گے تاکہ تمام ممبرز آپ کو اچھی طرح سن سکیں۔ بسم اللہ کریں، conclude کریں پھر نماز کا وقفہ کریں گے۔

سینیٹر مشاہد اللہ خان: ٹھیک ہے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔

جناب چیئرمین: پھر نماز پڑھی جائے۔

سینیٹر مشاہد اللہ خان: میں جناب! اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ میں بالکل دو منٹ میں اپنی بات ختم کر لیتا ہوں۔ آپ کا حکم ہو گیا۔ میں انشاء اللہ اس کی تعمیل کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین: بہت بہت شکریہ۔ Very kind of you.

سینیٹر مشاہد اللہ خان: میں گزارش یہ کر رہا تھا جناب! کہ سب سے پہلے ہمیں اپنے نصاب پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے شروع میں بتایا۔ میں نے ایک نظم پڑھی تھی۔ ہر نظم میں ایسا زبردست message ہوتا تھا۔ مثلاً ایک نظم کا عنوان تھا ''ملمع کی انگوٹھی''۔ دو چاندی کی انگوٹھیاں تھیں۔ ایک پر ملمع چڑھا تو اس میں تکبر آگیا تھا۔ اس طرح تھا:

چاندی کی انگوٹھی پر جو سونے کا چڑھا جھول اوچھی سی لگی بولنے اترا کے بڑا بول
اے دیکھنے والو! تم انصاف سے کہنا چاندی کی انگوٹھی بھی ہے کچھ گھنوں میں گہنا؟
چاندی کی انگوٹھی کے میں نہ پاس رہوں گی وہ اور ہے میں اور، یہ ذلت نہ سہوں گی

میں قوم کی اونچی ہوں، بڑا میرا گھرانہ　　　　وہ ذات کی گھٹیا ہے، نہیں اس کا ٹھکانا

یہ وہ کہتی ہے جس پر ملمع نہیں چڑھا ہوتا۔ وہ آگے سے کہتی ہے:

سونے کے ملمع پہ نہ اترا میری پیاری　　　　دو دن میں بھڑک اس کی اتر جائے گی ساری

کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا　　　　جھوٹوں نے جو سچوں کو چڑھایا بھی تو پھر کیا

مت بھول کبھی اس اصل کو اپنی اری احمق　　　　جب تاؤ دیا جائے گا ہو جائے گا منہ فق

جناب والا! میں آخر میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا نظام ایسا نظام ہونا چاہیے کہ جس سے جو بچہ نکلے وہ قائد اعظم کا وارث ہو، وہ ذوالفقار علی بھٹو کا وارث ہو، وہ محترمہ شہید کا وارث ہو، وہ نواز شریف کا وارث ہو۔ ہمیں کسی John کا وارث نہیں چاہیے، کسی مائیکل کا وارث نہیں چاہیے، کسی بالبروک کا وارث نہیں چاہیے اور اگر ایک دفعہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم نے اپنے بچوں کو کیا پڑھانا ہے تو اس قوم کی تقدیر بدل جائے گی۔ ہم کسی کے آگے اپنے ہاتھ پھیلانے کے قابل اپنے آپ کو نہیں سمجھیں گے بلکہ ہمارا جو ہاتھ آج پھیلا ہوا ہے، انشاء اللہ ہم دینے والے بنیں گے۔ ہم وقار کے ساتھ، ہم integrity کے ساتھ اس دنیا میں اپنا وقار دوبارہ حاصل کریں گے۔ انشاء اللہ اس کی نشاۃ ثانیہ ہو گی اور اس کا اعادہ ہو گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

جناب چیئرمین: بہت بہت شکریہ۔ نماز کا وقفہ کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ چھ بجے تک۔

(ایوان کی کارروائی نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے ملتوی کی گئی)

(نماز کے وقفے کے بعد اجلاس جناب چیئرمین (جناب فاروق حامد نائیک) کی زیر صدارت شروع ہوا)

جناب چیئرمین: حاجی عدیل صاحب، بسم اللہ کیجیے۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: مشاہد اللہ صاحب کو پھر بلا لیں کہ ہمیں کلام غالب سنائیں۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: آپ کا بھی نام ہے، آپ نے ابھی نہیں بولنا؟ پھر انتظار کر لیں۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: میں بولتا ہوں۔ جناب چیئرمین! میں مشکور ہوں کہ اس وقت جب کہ صرف ایک وزیر بیٹھا ہے، وہ بھی جا رہا ہے۔

جناب چیئرمین: آپ ہر وقت وزیروں کو۔۔۔آپ وزیروں کو چھوڑ دیں بس۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: بڑی عجیب بات ہے کہ جب ہم کلاشنکوف کی بات کرتے ہیں تو وزیر تعلیم موجود ہوتے ہیں اور جب ہم تعلیم اور قلم کی بات کرتے ہیں تو وزیر کلاشنکوف موجود ہوتا ہے۔

جناب چیئرمین: اگر آپ نے تھوڑی دیر بعد تقریر کرنی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں کسی اور کو کہتا ہوں۔

سینیٹر حاجی محمد عدیل: جناب! یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر جتنا بھی بولا جائے، جتنی بات بھی کی جائے کم ہے لیکن میں اپنی جماعت کی طرف سے یہ کہتا ہوں اور اپنی بڑی اتحادی پارٹی، پیپلز پارٹی کو یاد دلاتا ہوں کہ ان کے، ہمارے اور تمام پارٹیوں کے انتخابی منشور میں تھا کہ تعلیمی بجٹ ہمارے بجٹ کا چار سے پانچ فیصد ہو گا۔ اسی طرح Health کا بجٹ بھی چار سے پانچ فیصد ہو گا۔ آج دونوں کو ملا کر بمشکل اڑھائی فیصد بھی نہیں بنتا ہے۔ میں تو یہ یاد دلانا چاہوں گا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ہماری اتحادی پارٹی ہے، یہ ہمارے انتخابی منشور میں تھا، آپ کے منشور میں بھی تھا اور میرے خیال میں ایم کیو ایم کے منشور میں بھی تھا تو کم از کم جو اگلا آنے والا بجٹ ہے، اس میں education پر ہمارے بجٹ کا کم از کم چار فیصد ہونا چاہیے تاکہ واقعی کوئی تبدیلی نظر آئے۔ ایک فیصد یا ایک اعشاریہ چھ فیصد سے بات نہیں بنتی۔ جناب چیئرمین! یہ بات بھی ہوئی، آپ کو بتاتا ہوں کہ میں ایک زمانے میں Provincial Assembly کی ایک کمیٹی کا Chairperson تھا اور میں نے جو تحقیقات کیں کہ مانسہرہ میں primary education لڑکوں اور لڑکیوں کی الگ، الگ دی جاتی ہے۔ ہم نے وہ دیکھا کہ وہاں audit نہیں ہوتا تھا تو جو primary education for boys تھی، اس میں ہر سال پانچ کروڑ روپے کے فرضی تنخواہیں دی جاتی تھیں، فرضی staff تھا، ان کو تنخواہیں دی جاتی تھیں اور یہ سادہ تنخواہیں تھیں۔ میں نے یہ detect کیا جو مسلسل پانچ سالوں سے دی جارہی تھیں، میں نے تقریباً 35 کروڑ روپے کا غبن پکڑا جس میں ہمیں 4 کروڑ روپے واپس ملے، میں نے 200 افراد کو جیل بھجوایا، بعد میں یہ ہوا کہ marshal law آ گیا، ان سب کو معاف کر دیا گیا۔ پیسے بھی صحیح استعمال نہیں ہو رہے اور یہ صحیح کہا ہے کہ ہمارے ہاں مختلف نظام تعلیم ہے، ایک مدرسوں کا نظام ہے، ایک ہمارا regular سرکاری نظام ہے جس میں میں نے بھی پڑھا ہے، شاید وسیم صاحب آپ نے بھی پڑھا ہو گا تو ہم نے

چٹائیوں پر پڑھا تھا اور ہم ہاتھ کی رسی سے پنکھے کو چلاتے تھے۔ اس کے بعد ترقی کی اور English medium میں 2 systems آ گئے، ایک American System ہے اور ایک O level and A level ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک ملک میں ہمارے بچے صرف اس لیے الگ system کی تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ ان کے والدین کے پاس دینے کے لیے پیسے ہیں یا جو Aitcheson college ہے، یہ بھی ایک مخصوص طبقے اور جاگیردارانہ طبقے کے لیے ہے، وہاں آج تک طلبہ کے لیے پگڑی استعمال ہوتی ہے۔ اس کو ختم کون کرے گا، کیا وہ لوگ ختم کریں گے جو انہی اداروں سے پڑھ کر آئے یا انہوں نے اسی طریقہ نظام سے تعلیم حاصل کی اور بڑے بڑے محکموں میں بھی گئے ہیں کیونکہ ان کی English بڑی اچھی ہے، وہ انگریزی میں بڑا اچھا بولتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کوئی Oxford Universityسے پڑھ کر آیا ہے یا کوئی Cambridge University کا پڑھا ہوا ہے، کوئی Harvard University سے پڑھ کر آیا ہے، کوئی American Houston University سے پڑھ کر آیا ہے۔ انہی لوگوں نے ہماری انتظامیہ اور bureaucracy پر بھی قبضہ کیا ہے، فوج میں بھی وہی لوگ ہیں اور پھر ہماری سیاست پر انہی گھرانوں کے لوگ چھائے ہوئے ہیں۔ یہ سارا جاگیردارانہ نظام ہماری سیاست پر چھایا ہوا ہے، ہم کہتے ہیں کہ income tax کی base کو وسیع کیا جائے، IMF نے کئی بار کہا ہے لیکن ہم جاگیردار کی income پر income tax وصول نہیں کرتے کیونکہ ہمارے اس پارلیمان میں، ہماری صوبائی اسمبلیوں میں، ہماری حکومتوں میں جاگیرداروں کا بڑا hold ہے، اسی طرح ان اداروں سے پڑھے ہوئے، ہمارے نظام پر چھائے ہوئے ہیں۔ دیکھیں لوگ مدرسوں میں کیوں جاتے ہیں، ٹھیک ہے کہ مدرسوں میں چار سو سال پرانی تعلیم ملتی ہے لیکن وہاں پر ان کو کپڑا، روٹی اور shelter بھی ملتا ہے۔ آپ آج کسی بھی گاؤں میں چلے جائیں تو آپ کو وہاں مدرسہ ملے گا اور primary school نظر نہیں آئے گا، ہم نے مالاکنڈ میں 600, 700 schools بنائے تھے، طالبان نے وہ سکول تباہ کر کے رکھ دیے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ جناب چیئرمین! اسلام میں تو یہ ہے کہ مرد اور عورت کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے، چاہے چین تک جانا پڑے تو یہ اچھی بات ہے، اس زمانے میں چین میں کوئی مذہبی تعلیم تو نہیں ملتی تھی، یہی دنیاوی تعلیم تھی۔ اب یہ کچھ عجیب تقسیم ہو گئی ہے کہ ایک طرف مذہبی تعلیم جو کہ دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والوں کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم بھی تین، چار درجوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے کہ سرکاری سکولوں سے جو تعلیم ملتی ہے جو کہ پرائیویٹ سکولوں میں اردو میڈم الگ ہے، English

medium الگ ہے پھر O level and A level الگ ہے پھر اگر American System میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو الگ ہے۔ آخر اس کو کون صحیح کرے گا، وزیر مملکت برائے تعلیم بیٹھے ہیں، ہمیں بتائیں کہ یہ خرابیاں آج سے نہیں ہیں، 50 ,40 سالوں سے سنتے آئے ہیں کہ یہ خرابی ہے، اس خرابی کو دور کرنا چاہیے۔ ہم elections میں جاتے ہیں تو اپنے انتخابی منشور میں بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں کہ ہم اپنے بجٹ میں اتنا یہ کریں گے، اتنا وہ کریں گے لیکن ہم جب حکومت میں آ جاتے ہیں، میں پھر معافی چاہوں گا کہ ہمارے وزراء صاحب اپنے محکموں میں دلچسپی کم لیتے ہیں، ان کو اس بات میں دلچسپی ہے کہ 500 نوکریاں اپنے حلقے میں دلوائی ہیں۔ میں آج ایک وزیر کی statement پڑھ رہا تھا کہ میں نے 500 نوکر کیے ہیں، میں نے 240 کارخانے لگائے ہیں، 13 کروڑ روپے مجھے گیس کی development کے لیے اپنے حلقے کے لیے ملے ہیں اور میں نے 500 کلاشنکوف کے license لیے ہیں۔

جناب چیئرمین! اگر ہمارے وزراء یہی کام کرتے رہے جو محکمے ان کے پاس ہیں، چاہے وہ ریلوے ہے، چاہے تعلیم ہے یا Health ہے، آپ نے دیکھا کہ Health کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس طرح کبھی بھی بات نہیں بنے گی، ہماری standing committees ہیں، وہ سفارش کرتی ہیں لیکن ان کی recommendations پر کوئی غور ہی نہیں کرتا ہے، ہم یہاں قراردادیں pass کرتے ہیں، اس پر کوئی غور نہیں کرتا ہے تو جب تک ہم اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دیں گے اور تمام بچوں کو ایک جیسی تعلیم ملنی چاہیے۔ چاہے وہ وزیر اعظم کا بیٹا ہے یا وزیر اعلیٰ کا بیٹا ہو یا آپ کوئی پوتا ہو یا پوتی ہو یا ہم غریبوں کے بچے ہوں، ان سب کی ایک education ہونی چاہیے لیکن اچھی education ہونی چاہیے۔ ہمارے زمانے میں استاد ہمیں پڑھایا کرتے تھے، وہ تو بڑی کم تنخواہ پر تھے لیکن بڑے اچھے استاد تھے، ہمیں جب بھی وہ ملتے ہیں تو ہم ان کی عزت و احترام کرتے ہیں کہ انہوں نے سکھایا ہے۔ آپ دیکھیں کہ مجھ سے پہلے جیسے کہا گیا ہے کہ جتنے scientists ہیں، عبدالسلام جو Nobel Prize یافتہ ہے، وہ کن سکولوں میں پڑھے ہیں، کیا وہ O level and A level schools میں پڑھے ہوں گے۔ یہ بات بالکل ضروری ہے کہ بچے کی ابتدائی تعلیم اس کی ماں کی زبان میں ملنی چاہیے، یہاں پر ایسا نہیں ہو رہا ہے، پشتون بچے کو کہا جاتا ہے کہ یہ انگریزی پڑھو، یہ اردو پڑھو۔ سندھی ہو، پنجابی ہو، بلوچی ہو، بچے سے کہا جاتا ہے کہ آپ اردو یا انگریزی میں ابتدائی تعلیم حاصل کریں۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ اردو میں پڑھتے ہیں، انگریزی ہمیں پڑھائی جاتی ہے، عربی ہمیں پڑھائی جاتی ہے اور جو ہماری مادری زبان ہے،

ہمیں اس میں ابتدائی تعلیم نہیں دی جاتی۔ دنیا نے اگر ترقی کی ہے جس کا حوالہ دیا ہے تو وہاں لوگوں کو اپنی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے بلکہ مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ہمارے سامنے ہے کہ افغانستان جلال آباد میں .Ph.D کے ڈگریاں، engineers اور doctors پشتو زبان میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں، ہم نے وہاں اپنے لوگوں کو بھیجا ہے، انہوں نے وہاں پر تعلیم حاصل کی ہے، اگر کابل یونیورسٹی میں جائیں تو وہاں پشتو کے علاوہ فارسی میں MBBS, MBA کر سکتے اور engineer بن سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں جب تک یہ تضاد ختم نہیں ہو گا اور ہم جب اپنے بجٹ میں تعلیم اور صحت کے لیے زیادہ پیسے نہیں رکھیں گے اور پھر اس کی scrutiny ہونی چاہیے، اس کا audit ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ آپ جو پیسے دیں، وہ فرضی سکولوں پر لگیں، آج کیا ہے کہ ہمارے ہاں system ہے کہ وہاں پر primary school بن سکتا ہے کہ جہاں علاقہ کا آدمی ایک کنال یا دو کنال زمین مفت دے گا لیکن آج کل کے زمانے میں ایک کنال زمین کی قیمت لاکھوں میں ہے۔ کون مفت دیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زمین میں ایک سکول بن جاتا ہے، بعد میں اس کے حجرے کے طور پر کام آتا ہے۔

جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں کہ سینیٹر طلحہ صاحب نے یہ جو مسئلہ چھیڑا ہے جو اس motion کے محرک ہیں، انہوں نے بڑا اہم مسئلہ چھیڑا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ ہم صرف بات کر لیں اور اس کے بعد بحث ختم ہو جائے اور اس کے بعد نشستند، گفتند برخاستند والی بات ہو۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے جو ہماری اپنی حکومت ہے، ایک ٹھوس تجویز آئے تاکہ اگلے بجٹ میں ہم تعلیم کے حوالے سے funds بھی زیادہ رکھیں اور ہماری واضح تعلیمی پالیسی بھی ہو۔

جناب چیئرمین: شکریہ شکریہ۔ اچھا حاصل صاحب آپ پہلے تقریر کرنا چاہیں گے یا پروفیسر صاحب پہلے تقریر کریں گے، حاصل صاحب کے بعد آپ کی باری ہے اور اس کے بعد حسیب صاحب کی باری ہے۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: پروفیسر صاحب ہمارے بزرگ ہیں۔

جناب چیئرمین: پھر آپ کا نمبر بعد میں آئے گا، حاصل صاحب آپ پہلے تقریر کرنا چاہیں گے۔ میرے پاس نام بہت لکھے ہوئے ہیں، اپنا نام لکھا دیں جو speech کرنا چاہے، میں نے سب کو دیکھ لیا ہے، اپنا نام لکھا دیں، list کے مطابق نام آئے گا۔ حاصل صاحب بسم اللہ کریں کیونکہ time بہت کم ہے اور speakers زیادہ ہیں۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب! آپ کو معلوم ہے کہ میں زیادہ نہیں بولتا۔

جناب چیئرمین: جی بسم اللہ کریں۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب چیئرمین صاحب! آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہمیں اس اہم مسئلے پر بولنے کا موقع دیا اور طلحہ صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس اہم موضوع پر House کی توجہ دلائی۔

جناب چیئرمین: اس کے بعد ہے کہ not more than 5 minutes to every speaker, they all want to speak, not more than 5 minutes now. جی۔ Not more than 5 minutes میں نے کہا ہے کہ not more than 5 minutes جی حاصل بزنجو صاحب۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب چیئرمین! آج پوری دنیا میں جو competition کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ تعلیم، علم اور سائنس کے علاوہ زندگی کا تصور ایک جنگل، ایک بیابان، ایک وحشی کا ہے، مگر بدقسمتی سے آج اگر اس ملک میں تعلیم کے حوالے سے بات کی جائے تو جناب وسیم سجاد صاحب اور دوستوں نے یہ بات کی کہ American school, Beacon, City, Educator بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ اس وقت اس ملک میں سب سے بڑا problem یہ ہے کہ ایجوکیشن elite class کے قبضے میں ہے، دولتمندوں کے قبضے میں ہے اور اس وقت ایجوکیشن ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو صاحب جائداد ہوتے ہیں، جبکہ ایجوکیشن کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے کہ تعلیم حق ہے نہ کہ رعایت، مگر بدقسمتی سے یہاں کی upper class نے تعلیم کو اپنے لیے ملکیت بنا لیا ہے، آج پاکستان میں 70% لوگوں کے پاس ایجوکیشن کا concept ہی موجود نہیں ہے، ایجوکیشن ہوتی کیا ہے۔ آپ آج پاکستان کے کسی دیہی علاقے میں جائیں تو وہاں پر کسی باپ کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ اس کا بیٹا سکول جاتا ہے یا نہیں، مگر جو elite class ہے اس کا بچہ دو دن کلاس میں نہ جائے تو پورے گھر میں مصیبت آجاتی ہے، مگر حکمران طبقے کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ دوسرے کا بچہ روڈ پر بھیک مانگتا ہے یا سکول جاتا ہے، یہ اس کا مسئلہ نہیں ہوتا، مگر وہ حکمرانی کا حق اپنے پاس رکھتا ہے، حکمرانی اس کی اپنی ضرورت ہے جس میں کہ وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

ایجوکیشن کے بجٹ کے حوالے سے بہت باتیں ہوتی رہیں۔ جناب چیئرمین! اس وقت بلوچستان میں ایجوکیشن پر per annum expenditures Rs. 20 per person آتے ہیں، آپ مجھے بتائیں کہ وہاں کیا ایجوکیشن ہو گی۔ پاکستان میں جہاں جس کو نوکری نہیں ملتی، جہاں اسے دھتکارا جاتا ہے، جہاں اس کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا تو اسے سکول میں پھینک دیا جاتا ہے کہ آپ جا کر غریب بچوں کو پڑھائیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اپ دیہی سکولوں کے جتنی جگہوں پر بھی جائیں تو اگر وہ صبح ٹیچر ہے تو شام کو ریوڑیاں بیچ رہا ہوتا ہے یا شام کو اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے پکوڑے بیچ رہا ہوتا ہے۔ جناب چیئرمین! جس سکول کا ماسٹر پکوڑے بیچتا ہو اس سے آپ کیا توقع کریں گے، وہ انسانوں کو کیا تعلیم دے گا۔ ہم نیوکلئیر پاور بن گئے، we have fourth biggest Army of the region but the worst education in the region.

جناب چیئرمین: چلیئے اب آپ conclude کر لیجیے۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: جناب چیئرمین! آج سری لنکا ہمارے سامنے ہے، وہ پچھلے کئی سالوں سے war zone میں رہا مگر آج وہاں پر 100% education ہے۔ یہاں پر قدغن کس طرح لگائی جاتی ہے۔

جناب چیئرمین: چلیئے اب آپ conclude کر لیجیے، 5 minutes ہو گئے ہیں۔

سینیٹر میر حاصل خان بزنجو: ایک منٹ۔ کوئی آدمی الیکشن نہیں لڑ سکتا جب تک کہ وہ B.A نہیں ہو گا کیونکہ یہاں حکمران اپنے لیے ایک نئی کلاس بنانا چاہتے ہیں، آپ یہ کیوں کرتے ہیں کہ کسی کو شناختی کارڈ نہیں ملے گا جب تک کہ وہ سکول میں داخل نہیں ہو گا۔ آپ Egypt کو لیں، ناصر نے پورے مصر کی زندگی بدل دی، اس نے کہا کہ کوئی باپ اس وقت شناختی کارڈ اور نوکری کے لیے درخواست نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اپنے سکول کے بچے کا سرٹیفکیٹ نہیں لاتا کیونکہ اس کو فکر تھی۔ یہ elite class جو کہ اس ملک کی حکمران ہے، اس کو علم ہی نہیں ہے کہ تعلیم کسی اور کے لیے بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ تعلیم کو صرف اپنے لیے سمجھتے ہیں۔ آج ہم روتے رہتے ہیں کہ مدرسے بڑھ رہے ہیں، مدرسے کیوں بڑھ رہے ہیں، آپ کے سکول اس قابل ہی نہیں ہیں کہ کوئی اس میں جائے، وہ مدرسے میں نہ جائے تو اور کہاں جائے۔ میرا یہ مطالبہ ہے اور یہ اس ہاؤس کا مطالبہ ہونا چاہیے کہ تعلیمی

بجٹ کو 10% تک بڑھایا جائے اور تمام چیزوں پر cut لگایا جائے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا تو نہ یہاں دہشتگردی ختم ہوگی، نہ غربت ختم ہوگی اور نہ یہ مصیبتیں ختم ہوں گی۔ بہت بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ محمد علی درانی صاحب، ان کے بعد افراسیاب خٹک اور حسیب صاحب۔

سینیٹر محمد علی درانی: اعوذباللہ من الشطین الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب چیئرمین! میں طلحہ صاحب کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس topic کو اٹھایا۔ میں ایک بالکل مختلف angle سے اس issue پر بات کرنا چاہوں گا اور وہ کچھ facts and figures کی بنیاد پر ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ پاکستان کا تعلیمی نظام مختلف طرح کا ہے یہ بالکل حقیقت ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں غیر ملکی تعلیم دی جاتی ہے، یہ بالکل صحیح ہے لیکن جناب! میرا سوال یہ ہے کہ تعلیم کا بجٹ اور تعلیم پر لگنے والی رقم کہاں لگ رہی ہے۔میں پورے پنجاب کے تین ڈویژن کے figures پیش کروں گا کہ ان میں میٹرک میں appear ہونے والے بچوں کی تعداد کتنی ہے۔ راولپنڈی ڈویژن میں جو بچے میٹرک میں appear ہورہے ہیں ان کی تعداد ایک لاکھ پندرہ ہزار ہے جبکہ راولپنڈی ڈویژن کی population 81 lac ہے۔ اسی طرح سے بہاولپور ڈویژن کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ ہے اور وہاں سے 63 ہزار بچے appear ہورہے ہیں۔ راولپنڈی میں 54 degree colleges ہیں اور بہاولپور ڈسٹرکٹ میں 8 ہیں، رحیم یار خان ڈسٹرکٹ میں 15 اور سرگودھا ڈسٹرکٹ میں 30 ہیں، یہ میں حکومت پاکستان کے colleges کی بات کر رہا ہوں۔ اس وقت لاہور میں 100 سے زیادہ universities ہیں، پورے بہاولپور ڈویژن میں ایک یونیورسٹی اور ایک میڈیکل کالج ہے۔ لاہور میں 16 medical colleges ہیں اور لاہور سے لے کر راولپنڈی تک کے علاقے میں 20 Engineering universities مختلف شکلوں میں کام کر رہی ہیں۔

آپ نے پاکستان کو چار شہروں کا ملک بنا دیا ہے۔آپ پورے ملک کے وسائل چار شہروں میں مرکوز کر دیتے ہیں اور آپ کہتے ہیں تعلیم کا بجٹ 2% سے بڑھایا جائے، جب بجٹ بڑھے گا تو لگے گا کہاں؟ اسے کون ensure کرے گا؟ NFC award کے لیے صوبے بڑے جوش و خروش سے قابل تحسین کام کرتے ہیں، اس حکومت کو اس کا credit جاتا ہے کہ انہوں نے NFC award طے کیا، آپ NFC award میں طے کرتے ہیں کہ ایک صوبے کو اس criteria پر، اگلے سال پنجاب کو 419 ارب

روپے ملیں گے اور اسی حساب سے اس ڈویژن کا میرا حصہ بنتا ہے54 ارب روپے اور میری non development پر ایک ارب روپیہ لگتا ہے اور میری اپنی income کے باوجود development اور development ملا کر 11 ارب روپے لگتے ہیں۔ اسی طرح حکومت پنجاب کے مطابق literacy rate average 57% ہے، بہاولپور ڈسٹرکٹ میں literacy rate 34% ہے اور راجن پور میں 32% ہے۔ اب آپ وہاں پر نہ سکول بنائیں، نہ تعلیم دیں، نہ وہاں پر funds دیں۔ جناب والا! وہاں لوگ بچوں کو کس طرح پڑھائیں، آپ نے تمام colleges کے لیے entry tests لگائے ہوئے ہیں، پاکستان کے کسی قانون کے مطابق legally entry test نہیں لگ سکتا، خواہ وہ میرے دور میں لگے یا اس سے پہلے لگے یا اس کے بعد کے دور میں لگے۔ جو فیڈرل گورنمنٹ کا FSc, BSc کا prescribed criteria ہے اس پر آپ ایک unknown criteria establish کر دیتے ہیں کہ جس بچے نے میڈیکل کالج میں جانا ہے یا جس نے engineering university میں جانا ہے اسے یہ entry test pass کرنا پڑے گا جس کی کہ ساری academies لاہور، کراچی یا پشاور میں ہیں۔ جو بچہ 25 ,25 ہزار فیس دے کر اس entry test کی تیاری کرے گا، وہ تو میڈیکل کالج میں چلا جائے گا لیکن بھکر، راجن پور اور بہاول نگر کا بچہ یا بچی کو کیسے admission ملے گا۔

جناب والا! بہاولپور میڈیکل کالج کے اندر تحصیل احمد پور کی ایک بچی کو داخلہ ملا ہے۔ بورڈ میں first and second position حاصل کرنے والے بچے وہ 30% of dogwatches of entry test کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد جب تعلیم حاصل بھی کر لیتے ہیں تو ان کے لیے jobs نہیں ہوتیں۔ جناب والا! یہاں سینیٹ میں، میں نے سوال کیا تھا کہ NUML کے campus پنجاب میں کس کس جگہ کھولے گئے ہیں۔ راولپنڈی میں موجود ہے، لاہور میں موجود ہے، فیصل آباد میں موجود ہے، ملتان میں موجود ہے لیکن سب سے غریب جو اضلاع ہیں۔

Mr. Chairman: Please conclude now.

سینیٹر محمد علی درانی: ڈی جی خان اور بہاولپور ڈویژن ان دونوں میں NUML کا کوئی set up موجود نہیں ہے۔ جناب چیئرمین! میں آپ سے شکریے کے ساتھ کہ آپ نے مجھے وقت دیا۔ میں conclude کرتے ہوئے دو تین سفارشات جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین: ضرور کریں۔

سینیٹر محمد علی درانی: پہلی بات یہ ہے کہ تعلیمی اداروں کو population base پر distribute کیا جانا چاہیے تاکہ تمام علاقوں کو سہولت ملے یہ نہیں کہ کوئی آدمی بڑے شہر میں رہتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ شہر بڑے ہو گئے ہیں، شہر بڑے نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوں گے کیونکہ تعلیم وہاں ملتی ہے، وسائل وہاں ملتے ہیں 80% بجٹ وہاں پر لگتا ہے۔ جناب والا! سب سے پہلی میری تجویز یہ ہے کہ تعلیمی اداروں کو population base پر اور area base کے اوپر ان کی distribution کو یقینی بنایا جائے۔ دوسری میری suggestion یہ ہو گی کہ تمام قسم کے جو داخلہ ٹیسٹ رکھے گئے ہیں ان کو ختم کیا جائے کیونکہ وہ unconstitutional ہے اور ان کا کوئی defined نصاب نہیں ہے۔ جناب والا! تیسری میری گزارش یہ ہو گی کہ NFC Award کے تحت صوبوں کو ملنے والے پیسے جو ہیں ان کی ایک amount کو تعلیم کے شعبے میں لگنا اور علاقے کے حساب سے لگنا اس کو مرکزی حکومت ensure کرے۔ بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ سینیٹر افراسیاب خٹک صاحب۔

سینیٹر افراسیاب خٹک: شکریہ جناب چیئرمین! حقیقت میں ہمایوں خان کے بعد دوسرا میں ہوں جس نے اپنا نام لکھوایا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ یہاں شور شرابا کیے بغیر کام نہیں ہوتا۔

جناب چیئرمین: نہیں ایسی بات نہیں۔ میں نے آپ کو وقت دے دیا ہے۔ جی۔

سینیٹر افراسیاب خٹک: جناب چیئرمین! یہ بہت اہم موضوع ہے میں سمجھتا ہوں کہ بہت اچھے خیالات کا اظہار یہاں پر کیا گیا ہے۔ میں بھی اپنی آواز ان دوستوں کے ساتھ شامل کرنا چاہوں گا جو انہوں نے کہا ہے کہ آخر ہماری ریاست کی ترجیحات کیا ہیں؟ آج آپ کو بتایا گیا کہ یونیسکو کی سفارش یہ تھی کہ ہر ملک کو کم از کم اپنی GDP کا 4% تعلیم کے لیے مختص کرنا چاہیے۔ اور یہ دنیا کے سب ممالک کے لیے ہے یہ سوڈان سے بھی مطالبہ ہے، صومالیہ سے بھی مطالبہ ہے، نیپال سے بھی مطالبہ ہے، افغانستان سے بھی مطالبہ ہے لیکن آپ اندازہ لگائیں کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں؟ ہمارا GDP کا دو فیصد بھی تعلیم پر خرچ نہیں ہو رہا ہے۔ اس کے لیے فلاسفر ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں اگر ہم نے اپنی ترجیحات نہ بدلیں اور اپنی youth کو ہم نے educate نہیں کیا تو ہم کہیں نہیں جا رہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ مقابلے میں ہم پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ایک طرح سے اندرونی تباہی کی طرف چلے جائیں گے۔

دوسری بات میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہمارا جو public education system ہے اس کا collapse ہوا ہے، وہ بیٹھ گیا ہے اور اس بات کو سمجھنا اس لیے بھی اہم ہے کہ بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ private education یا لوگ خیراتی تعلیم دلواتے ہیں لیکن انسانی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا کہ state کے بغیر کوئی private ادارہ اس قابل ہوا ہو کہ پورے معاشرے کو وہ تعلیم دلا سکے۔ تعلیم دلانے کے لیے بنیادی بات یہی ہو گی کہ جو public education system ہے اس کو reforms کے ذریعے quantitively and positively reform کرنا اور اس کو پاؤں پر کھڑا کرنا یہ ایک بنیادی challenge ہے جو کہ آج کے پاکستان کو درپیش ہے۔ میں اس سلسلے میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ پاکستان کی آبادی کی اکثریت اب نوجوان نسل پر مشتمل ہے۔ ہمارے demographic balance میں جو تبدیلی آئی ہے اس کے نتیجے میں آج ہماری 55% آبادی وہ comparatively نوجوان لوگوں کی ہے۔ ان لوگوں کو تعلیم دلانا اور ان کے لیے اچھا انسان بننے کے مواقع پیدا کرنا ہماری بنیادی ضرورت ہے اور اس بنیاد پر بھی ہماری جو demographic reality ہے اس کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے اور تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اس کو priority میں آگے لانا چاہیے۔

تیسری بات class base education کہ جس طرح کی تعلیم ہم دے رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو امراء کے بچوں کے لیے اسکول ہیں اس میں سے کسی نے مجھے ایک لطیفہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ ایک بچے سے استاد نے کہا کہ کارگزاری کو جملے میں استعمال کرو۔ اس بچے نے کہا کہ میں نے پل پر سے کار گزاری۔ کیونکہ اس کو اور کسی قسم کی کارگزاری کا علم نہیں تھا تو اس طرح امراء کے بچے اور غریبوں کے بچے آپس میں بٹ رہے ہیں اور ہمارا معاشرہ انتشار کی طرف بڑھے گا اس کا بھی ہمیں نوٹس لینا چاہیے۔ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہمارے جو مدارس ہیں، جس میں ہمارے millions بچے پڑھ رہے ہیں ان کی اصلاح کے لیے بھی توجہ دینی چاہیے۔ اس کو سیاسی تنازعہ نہیں بنانا چاہیے ان بچوں کا مستقبل ہم سب کا مستقبل ہے ان کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسی تعلیم دی جائے تا کہ وہ مفید شہری بن سکیں اور باعزت روزگار تلاش کر سکیں تا کہ ان کے سامنے ایک ہی راستہ نہ رہے کہ وہ جائیں اور لڑائیوں اور جھگڑوں اور خود کش بمباروں کی شکل میں وہ سامنے آئیں۔ اس لیے یہ بھی اہم ہے کہ مدرسوں کی بھی اصلاحات کی جائیں۔ جناب والا! میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ جو آنے والا وقت ہے اس میں ساری جدوجہد knowledge کی ہے۔ اس میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں، ہم گلہ کرتے ہیں کہ فلاں ملک

سازش کر رہا ہے، غلبہ کر رہا ہے ہم اس سے کیوں مقابلہ نہیں کر پاتے۔ آپ دیکھیں مغرب میں علم عام ہوا، مغرب میں صنعتی انقلاب آیا، مغرب میں سیاسی انقلاب آیا، مغرب نے ساری دنیا پر غلبہ کیا لیکن ہم مقابلہ نہیں کرتے تو ہم کیسے ان سے گلہ شکوہ کر کے اپنے ضمیر کو تسلی دے سکتے ہیں۔ یہاں اسلام آباد میں پروفیسر اقبال احمد صاحب جو ایک بہت مشہور دانشور اور معلم بھی تھے۔ ساری عمر انہوں نے امریکہ میں پڑھایا تھا لیکن امریکہ میں ان کا شمار establishment کے خلاف پروفیسروں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے اسلام آباد میں ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی خلدونیہ یونیورسٹی۔ جس کے لیے ایک اسکول بن گیا تھا وہ اسکول اب بھی ہے جس کا نام ابن خلدون اسکول ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ social science کی ایک اعلٰی یونیورسٹی یہاں پر قائم ہو۔ جناب والا! ابھی تک وہ ابن خلدون اسکول ہے مگر پروفیسر صاحب کا انتقال ہو گیا ہے وہ کینسر کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی کا ایجنڈا ابھی تک ادھورا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اسلام آباد کے اندر خلدون یونیورسٹی ضرور بنانی چاہیے تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کے لیے ایک راستہ ایسا ہو کہ وہ دنیا کے ساتھ مقابلے میں شریک ہو سکیں۔

جناب والا! آخر میں، میں یہی کہوں گا کہ ہم شروع کریں کم از کم 4% تعلیم کے لیے رکھیں۔ میں تجویز کروں گا کہ یہ ایوان ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کرے کہ ہم اپنی ترجیحات بدلتے ہیں اور تعلیم کے لیے آئندہ جو ہمارے بجٹ آئیں گے اور ہماری جو GDP کا جو حساب کتاب ہو گا اس میں سے کم از کم چار فیصد ہم تعلیم کے لیے مختص کریں گے۔ اسی طرح public education system کے reforms کے لیے اس ایوان میں وزیر تعلیم کو بلایا جائے اور اس سے کہا جائے کہ ان کے پاس کیا plan ہے۔ ایک اور بات میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری Girls education کو priority basis پر لڑکیوں کو تعلیم دینی چاہیے اور اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ جو کمی ہے Boys and Girls میں اس میں بچیوں کی تعلیم کو ترجیحی بنیادوں پر آگے بڑھایا جائے۔ اسی طرح سے سلیبس میں اصلاحات ہونی چاہییں اور اس کے ساتھ ہی اس mind set کو بھی بدلنا چاہیے جو آج کل اسکولوں میں دھماکے کر رہا ہے اور اسکولوں کو اڑا رہا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں نئے اسکول بھی بنانے چاہییں اور جو اسکول پہلے سے قائم ہیں ان کی بھی ہمیں حفاظت کرنی چاہیے۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ سینیٹر حسیب صاحب۔

سینیٹر عبدالحسیب خان: بہت شکریہ جناب چیئرمین! یہ بہت ہی important topic ہے۔ میں کوئی تقریر نہیں کروں گا۔ میری ایک observation ہے اور میری تین proposals ہیں۔ کوشش کروں گا کہ پانچ منٹ کے اندر میں اپنی بات کہہ سکوں تاکہ مجھے آئندہ بھی موقع ملے۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک کسی حکومت نے بھی تعلیم کو اہمیت نہیں دی۔ یہاں ہال کے اندر جتنے بھی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں کسی نہ کسی وقت حکومت میں بھی تھے لہٰذا میں اس میں نہیں جاؤں گا اور کوئی سیاست بھی نہیں کروں گا۔ بات یہ ہے کہ تعلیم اولین ترجیح کے طور پر کبھی بھی حکومتوں کی توجہ میں نہیں رہی۔ سول سوسائٹی کا کردار انتہائی موزوں رہا ہے اس لیے کہ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سب کام حکومت کرے گی تو یہ ہماری خام خیالی ہے۔ اس لیے کہ بغیر سول سوسائٹی کو ملوث کیے ہوئے تعلیمی نظام بہتر نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر سول سوسائٹی نے بھی اپنا کردار ادا نہیں کیا اور حکومت نے بھی اپنا کردار ادا نہیں کیا تو لازمی طور پر جہالت ہو گی اور جب جہالت ہو گی تو پھر وہی ہے کہ law and order کی situation آپ کے سامنے ہوتی ہے۔

جناب والا! ایک اہم بات یہ ہے کہ ہمارا المیہ ہے کہ ہم نے دینی مدارس کو بڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ سارا الزام مدارس کو دے دیا کہ مدارس دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں یہ ہماری غلط سوچ ہے۔ جناب والا! دینی مدارس کا قیام تقریباً ایک ہزار اٹھارہ میں شروع ہوا اور 1092 سال کے اندر خراسان میں اس کی بنیاد پڑی اور دنیا نے دیکھا ہے کہ انہی مدرسوں سے بڑے بڑے دانشور نکلے جنہوں نے حکومتیں کی ہیں۔ آج یہ کیا ہو گیا ہے؟ اب وقت تبدیل ہو گیا ہے۔ ہمیں ضرورت اس بات کی ہے اور بہت ضروری ہے کہ اب میں آپ کو تین proposals دے رہا ہوں۔ میری پہلی proposal یہ ہے کہ دینی مدارس کے لیے نصاب میں تبدیلی کی جائے۔ علماء کرام کے ساتھ بیٹھ کر انگریزی تعلیم، ریاضی کی تعلیم، کمپیوٹر، سائنس اور دینی تعلیم کے ساتھ ملا کر ایک نظام بنایا جائے۔ حکومت کو چاہیے کہ خود اکیلے نہ بنائے یہ ممکن نہیں ہوگا اور چلے گا بھی نہیں۔ علماءِ کرام کے ساتھ بیٹھ کر دنیاوی تعلیم اور دینی تعلیم کے مطابق ایک نصاب بنایا جائے۔

میری دوسری تجویز یہ ہے کہ پرائمری تعلیم کو اہمیت دی جائے کیونکہ بچہ سات سال کی عمر میں مکمل ہو جاتا ہے، اس کی شخصیت بن جاتی ہے۔ ہم نے پرائمری کی طرف توجہ کم دی ہے۔ Hundred per cent بچوں کو آپ کو تعلیمی نظام دینا پڑے گا اور جب آپ پرائمری کی بات کرتے

ہیں تو وہاں پر صرف تعلیم نہیں ہو گی بلکہ تربیت بھی ہو گی۔ ہمارے دور میں لفظ 'تعلیم' کبھی اکیلے نہیں آیا تھا، ہمیشہ 'تعلیم و تربیت' ایک ساتھ استعمال ہوتا تھا۔ تربیت بھی بڑی لازمی ہے اور یہ ہو گا Primary level سے۔

میری تیسری تجویز، آخری بات جس کے بغیر ہم کوئی کام نہیں کرسکتے، آج ہم یہاں باتیں کر رہے ہیں، تقاریر کر رہے ہیں، چلے جائیں گے بات ختم ہوجائے گی، میری تجویز ہے کہ ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس کے بغیر ہم کچھ نہیں کرسکتے اور اس کمیٹی سے میری مراد یہ ہے کہ جس میں پڑھے لکھے لوگ ہوں جن کا تعلق تعلیم سے ہو، جو سمجھتے ہوں کہ تعلیم کیا ہوتی ہے، جو سمجھتے ہوں کہ بچے کی psyche کیا ہوتی ہے، ان لوگوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے اور اس کی میٹنگ monthly, weekly and daily basis پر ہونی چاہیے۔ جب تک کمیٹی کی رپورٹ نہ آجائے، اس معاملے کو بند نہیں ہونا چاہیے تاکہ ایک policy بن جائے۔ There is no Education Policy جو اس ملک کی ضرورت ہے۔ پاکستان اس پالیسی کے بغیر آگے نہیں جاسکتا۔ میں نے چار منٹ لیے ہیں تاکہ آپ مجھے آئندہ بھی موقع دیں۔ بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین: بہت شکریہ۔ پیرزادہ صاحب۔

سینیٹر ڈاکٹر عبدالخالق پیرزادہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب چیئرمین! بہت مہربانی کہ آپ نے مجھے موقع عطا فرمایا اس مقدس قسم کے مسئلے پر۔ میں تو شروع میں ہی اپنی رائے یہ پیش کروں گا کہ اس اہم ترین مسئلے کے لیے ایک پورا session مختص کیا جائے تاکہ تمام اراکین اپنی علمی رائے دیں اور اس میں وزیرِ اعظم صاحب قبلہ کو اور وزیرِ تعلیم صاحب کو شریک ہونا چاہیے تاکہ ان آراء کی روشنی میں، اس دیرینہ مسئلے کا مکمل حل پیش کیا جائے۔

جناب چیئرمین اور محترم اراکین! حضور ﷺ کی تو خیر نبوت ہی 'اقرا' سے شروع ہوئی تھی، جو پہلی وحی آئی لیکن میں تھوڑا سا پیچھے جا کر عرض کروں کہ انسان کی انسانیت کی ابتداء ہی تعلیم سے شروع ہوئی تھی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سب سے پہلا مدرسہ خود کھولا تھا اور کہا تھا (عربی) اور آدم علیہ السلام کو میں نے سارے نام سکھا دیے ہیں اور پھر question/answer کا ایک پیریڈ مقرر ہوا تھا جس میں فرشتوں کا مقابلہ ہوا تھا اور جو question/answer میں جیت گیا تھا، اس کو علم کی base پر افضلیت دی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر کہا گیا تھا کہ یہ چونکہ علم میں تم سے زیادہ ہے لہذا اس کو سجدہ کرو۔ آج بھی

جو ممالک علم میں ترقی یافتہ ہیں، غیر ترقی یافتہ ممالک جن کے پاس علم نہیں ہے، آج وہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔

یہ جو GDP کے بارے میں UNESCO نے کہا ہے کہ 4% ہونا چاہیے، ہمارے ہاں کم از کم 2% something ہے، میری آپ سے اور تمام معزز اراکین سے یہ گزارش ہے کہ ایک سروے کر لیں کیونکہ میں Education Committee میں تھا اور اب بھی ہوں، ہمارے چیئرمین صاحب بھی ابھی تشریف فرما ہیں، اس کا دو فی صد جو گورنمنٹ نے مقرر کیا، اس میں سے آدھا فی صد بھی خرچ نہیں ہوتا ہے۔ سینکڑوں مدارس بند ہیں، کتنے مدارس میں بڑے بڑے زمینداروں نے اپنی بکریاں اور بھیڑیں باندھی ہوئی ہیں، کتنے سو اساتذہ کی تنخواہیں جاتی ہیں اور وہ اساتذہ وہاں موجود ہی نہیں، وہ آتے ہی نہیں۔ اگر اس دو فی صد یا سوا دو فی صد یا جتنا بھی ہے، اس کو بھی صحیح طریقے سے خرچ کر دیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑا انقلاب آسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب تک اس ملک کا نظامِ تعلیم، آج باسٹھ سال ہو چکے تریسٹھواں شروع ہو گیا ہے، میری عمر بھی تریسٹھویں میں جا رہی ہے، چاہے تریسٹھ ہزار سال گزر جائیں جب تک ایک نظامِ تعلیم نہیں ہو گا اور اس میں دین اور دنیا دونوں کا یکساں ضرورت کے مطابق خیال رکھ کر نصاب نہیں بنایا جائے گا، یہ ملک کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا، نہیں کر سکتا۔ آج کی تاریخ لکھ لیں اور میری یہ بات لکھ لیں، کبھی بھی یہ ملک ترقی نہیں کر سکتا جب تک ایک نظامِ تعلیم نہیں ہو گا۔ دنیا کی ضرورتیں بھی اس میں رکھی جائیں، دین کی ضرورتیں بھی اس میں رکھی جائیں۔ کوا چلا ہنس کی چال، اپنی چال بھی کھو بیٹھا۔ ہم یورپ کی چال چلیں، اپنی چال بھی کھو بیٹھیں۔ بھئی آپ سارے علوم دنیا سے لیں، انگریزی کو صرف زبان سمجھ کر پڑھائیں لیکن خدا کی اس بات کو نہ بھولیں جس نے کہا تھا (عربی) اور آدم علیہ السلام کو میں نے سارے علوم سکھائے ہیں، میری کتاب میں سارے علوم ہیں۔ اگر اسلام اور اسلامی تعلیمات کو بھول کر صرف دنیاوی تعلیمات پر چلیں، ہم تب بھی ناکام ہوں گے اور اگر دنیاوی تعلیمات کو بھول کر صرف دینی تعلیمات کو اپنائیں تو تب بھی ہم ناکام ہوں گے۔ اگر میری یہ دو تجاویز مان لیں تو میری دس گھنٹے کی تقریر سے بھی زیادہ ہے کہ ایک نصابِ تعلیم ہونا چاہیے اور جتنے پیسے گورنمنٹ منظور کرتی ہے، ان کو صحیح طریقے سے خرچ کیا جائے۔ بڑی مہربانی۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جاوید علی شاہ صاحب۔

سینیٹر سید جاوید علی شاہ: جناب چیئرمین! شکریہ، میں بہت مشکور ہوں کہ اتنے اہم issue پر آپ نے مجھے بات کرنے کا موقع دیا۔ جناب! یہ ایک ایسا issue زیرِ بحث ہے جس کی اہمیت پر یہاں کسی شخص کو وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ابھی چند دوستوں نے جس طرح بتایا کہ اگر ہم اس کو Islamic point of view سے دیکھیں تو پہلی آیت جس بات کی تاکید کرتی ہو، وہ بھی یہی تھی کہ اقرا۔ اس سے سمجھ آجاتی ہے کہ اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت کس بات کی تھی۔

جناب چیئرمین! اگر دنیا کے سفر کو ہم study کریں اور دیکھیں تو دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں اگر کوئی چیز common ہے تو وہ education ہے، وہ تعلیم ہے۔ دنیا کا کوئی ملک جو اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہتا ہے یا ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑا ہونا چاہتا ہے، اس نے سب سے پہلے اپنے نظامِ تعلیم کو درست کیا اور اپنی قوم کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔

جناب چیئرمین! میں نے ایک دفعہ پہلے بھی یہ کہا تھا کہ مختلف قومیں تعلیم کی اہمیت کو مختلف انداز میں اپنی ترجیح بناتی رہیں۔ جس طرح Chinese کا میں نے یہاں اسی House میں کہا تھا کہ Chinese کہتے ہیں کہ if you want to invest for one year, grow rice. If you want to invest for ten years, grow trees and if you want to invest for hundred years, educate your people. جناب! سننے میں آیا ہے کہ جرمن قوم جب World War ہار رہی تھی تو اس وقت بھی ان کے دانشوروں نے ایک فیصلہ کیا کہ ہر اس شخص کو تحفظ دو، چھپا لو، بچا لو جو آنے والے کل میں جرمن قوم کو تعلیم دے سکتا ہو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ جرمن قوم ایک دفعہ پھر West کے لیے، پوری دنیا کے لیے اور ترقی یافتہ ممالک کے لیے ایک خطرہ بن کر سامنے آرہی ہے۔

جناب والا! تقسیمِ ہند سے پہلے، ہندوستان میں مسلمانوں نے جس بھی انداز اور جس بھی وجہ سے مغربی تعلیم کا boycott کیا، اس کی جو بھی وجوہات ہوں میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا، اس کے مقابلے میں ہندوؤں نے اس تعلیم کو اپنایا اور آج ہم اس خطے میں رہنے والے لوگ، ہماری living conditions same ہیں، آبادی، غربت، افلاس، شرح خواندگی سب کچھ ایک جیسا ہونے کے باوجود، میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان تعلیم کی طرف ہم سے کہیں زیادہ توجہ دے رہا ہے۔ 1993 میں سارک کانفرنس کے سلسلے میں، میں جب انڈیا گیا تو وہاں مجھے معلوم ہوا کہ انڈیا کی یونیورسٹیوں سے ہر سال پانچ ہزار PhD کے طلباء فارغ التحصیل ہوتے ہیں، جبکہ 2010ء میں پاکستان کی یونیورسٹیوں سے

ساڑھے تین سو کے قریب PhD لوگ یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں اور ہمارا خواب ہے کہ ہم اس تعداد کو پانچ سو تک لے جائیں جبکہ اس کے مقابلے میں 2010ء میں انڈیا میں شاید کئی ہزار لوگ PhD کر کے یونیورسٹیوں سے نکلتے ہوں گے۔ جناب والا! ویانا کانفرنس ہوئی اور اس میں اس چیز پر focus کیا گیا کہ تعلیم ہی وہ واحد چیز ہے جو قوموں کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں کھڑا کر سکتی ہے۔ آج 2010 میں بھی آپ 2009 کا بجٹ اٹھا کر دیکھیں پاکستان کے بجٹ میں جس مد میں سب سے کم رقم رکھی جاتی ہے وہ science and technology and education ہوتی ہے۔ جس شخص کو وزارت دینی بھی ہو اور وزارت نہ بھی دینی ہو تو اس کو science and technology کا وزیر بنا دیا جاتا ہے "تاکہ ظلم رہے اور امن بھی ہو"۔

Mr. Chairman: Conclude please.

سینیٹر سید جاوید علی شاہ: جناب چیئرمین! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج جو حالات اس ملک کے ہیں اس بات کی ضرورت کہیں زیادہ ہے کہ یہاں کا نظام تعلیم ایسا ہو جس سے کئی طبقے وجود میں نہ آئیں۔ ہمیں آج تک جو تعلیم دی گئی ہے اس سے کئی طبقے وجود میں آئے ہیں۔ میں اپنی بات کو آپ کے اشارے سے ہی ختم کرنے کی طرف لے جا رہا ہوں، میں ایک منٹ میں ختم کر دیتا ہوں۔ جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا نظام تعلیم ایسا ہو جو ہمیں طبقات سے بچائے۔ لوگوں میں احساس محرومی یا احساس کمتری پیدا نہ ہو۔ آج یہ ملک ایک ایسا ملک بن گیا ہے کہ جہاں ایک بچہ تو air conditioned کمروں میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف shelterless سکولوں کی بے پناہ تعداد موجود ہے۔ جن پرائمری سکولوں کو shelter مہیا کیا جاتا ہے میں آپ کو ایسے ہزاروں سکول گنوا سکتا ہوں جہاں پر ایک کمرہ ہوتا ہے جبکہ پرائمری سکول میں بھی پانچ کلاسیں ہوتی ہیں۔ بچے درختوں کے نیچے، ٹاٹوں پر، بغیر ٹاٹوں کے بھی بیٹھتے ہیں۔ ایسی جگہ بیٹھ کر ہم کیسے تعصب کا شکار نہیں ہوں گے؟ ہم کیسے محرومیوں کا شکار نہیں ہوں گے؟ ہم کیسے قوموں کی صف میں سر فخر سے بلند کر کے چل سکیں گے؟ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ focus اس بات پر ہونا چاہیے کہ نظام تعلیم ایسا ہو جو ہمیں طبقات سے بچائے، جہاں پر غریب کا بچہ بھی تمام بنیادی حقوق کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا حق رکھتا ہو اور امیر کا بچہ بھی انہی سکولوں میں پڑھے۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ Repetition نہ ہو، نئی بات کریں repetition سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مولانا غفور حیدری صاحب۔

سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (عربی) جناب چیئرمین! میں جناب طلحہ محمود صاحب کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے پورے ایوان کو ایک اہم معاملے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپ کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے کھلے دل کے ساتھ تمام اراکین کو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جناب والا! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، ایک دو باتیں عرض کرکے اپنی بات ختم کروں گا۔ ہمارے ہاں قیام پاکستان سے لے کر ابتک جو طبقاتی نظام چلا آ رہا ہے، اس طبقاتی نظام کو جب تک ہم ختم نہیں کریں گے تو اس وقت تک جو احساس محرومی ہے وہ ختم نہیں ہو گا۔ امراء کے لیے الگ تعلیمی ادارے، غرباء کے لیے الگ لیکن غرباء کے جو تعلیمی ادارے ہیں وہ ناکافی ہیں۔ مدارس کی بات کی جاتی ہے، میں آپ سے آج یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ حکومت ہمیں اس بات کی ضمانت دے کہ جو مروجہ عصری تعلیمی ادارے ہیں، جہاں پر سائنسی علوم پڑھائے جاتے ہیں اگر وہاں پر قرآن مجید حفظ کرنے کا بندوبست ہو، وہاں فقہ، حدیث اور تفسیر پڑھانے کا بندوبست ہو تو ہمیں private sector میں مدارس قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ اہتمام نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر اگلی بات کہ ہمارا ملک ایک پسماندہ ملک ہے اور اس ملک میں پسماندہ علاقے ہیں، پسماندہ لوگ ہیں، غریب ہیں، یتیم ہیں، ایسے لوگ ہیں جو سکولوں کی فیس ادا نہیں کر سکتے، سکولوں کی کتابیں نہیں خرید سکتے، سکولوں کا یونیفارم نہیں خرید سکتے، وہ لوگ مدارس کا رخ کرتے ہیں۔ مدارس private sector میں NGOs کی شکل میں جو خدمات انجام دے رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑی قومی خدمت ہے۔ یہ اتنی بڑی خدمت کر رہے ہیں کہ میں اس حوالے سے آپ کو عرض کروں کہ صرف جو ہمارے مسلک کے علماء ہیں ان کے مدارس میں بارہ لاکھ سے زیادہ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اگر تعلیم ہر پاکستانی کا حق ہے اور ہر ایک کے لیے یکساں تعلیم کا اہتمام ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر یہ چیز نہ ہو لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ نہ غریبوں کے لیے کوئی تعلیم کا انتظام ہے، نہ یتیم بچوں کے لیے کوئی تعلیم کا اہتمام ہے۔ دینی مدارس private sector میں اس کمی کو پورا کر رہے ہیں، اگر آج بھی حکومت اعلان کرے کہ ہم غریبوں کے لیے، یتیم بچوں کے لیے تعلیمی ادارے کھولیں گے وہاں پر فیس نہیں ہو گی، وہاں پر یونیفارم مفت ملے گا، وہاں کھانا مفت ملے گا، ہاسٹل کا خرچہ نہیں ہو گا تو

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے لیکن اگر حکومت کے ہاں اس طرح کا کوئی انتظام نہیں ہے تو private sector میں میں نے اپنے مکتبہ فکر کے مدارس کے بارے میں جو بتایا اگر سب کو شمار کیا جائے تو بیس پچیس لاکھ سے زائد بچے ان مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ تعلیم یکساں ہونی چاہیے، اس کے لیے بس ایک ہی طرح کے ادارے ہونے چاہییں تو پھر ان میں اس بات کا اہتمام ضرور ہو کہ وہاں پر قرآن مجید حفظ کرایا جائے، فقہ کی تعلیم ہو، حدیث کی تعلیم ہو۔ جس طرح دیگر علوم کی تعلیم ہوتی ہے یہ چیزیں بھی ہونی چاہییں۔

جناب چیئرمین: آپ اس کے لیے Bill لے کر آئیں ناں۔

سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری: اس کے علاوہ میں گزارش کرنا چاہوں گا کہ ہم جو احساس کمتری میں مبتلا ہیں کہ انگریزی زبان کے علاوہ ہم تعلیم نہیں دے سکتے، ہماری تعلیم آگے نہیں جا سکتی۔ آپ دنیا کی طرف دیکھیں ہم احساس کمتری میں کیوں مبتلا ہیں؟ سوائے ایک آدھ ملک کے ہر ملک میں چائنا، ایران، ترکی آپ دنیا کے کسی کونے میں بھی جائیں وہاں پر مقامی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ میری تیسری گزارش یہ ہے کہ قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے۔ تعلیمی بجٹ میں دس گنا اضافہ ہونا چاہیے۔ جب تک ہم تعلیمی بجٹ میں اضافہ نہیں کریں گے اور اس کو ایک ضرورت نہیں سمجھیں گے تو اس وقت تک ہم پیش رفت نہیں کر سکیں گے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم سب کے لیے ہو، یکساں ہو اور بلاتفریق ہو، جہاں پر غریب کا بچہ بھی پڑھ سکے، جہاں امیر کا بچہ بھی پڑھ سکے، سب کے لیے تعلیم یکساں ہونی چاہیے۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ طاہر مشہدی صاحب۔ میں تمام ممبران سے درخواست کروں گا کہ repetition نہ کریں تاکہ تمام لوگوں کو موقع مل جائے۔ جی مشہدی صاحب۔

سینیٹر کرنل (ریٹائرڈ) سید طاہر حسین مشہدی: شکریہ جناب چیئرمین! تعلیم کے معاملے پر اس وقت جتنی بھی توجہ دی جائے وہ کم ہے۔ پاکستان کے ہر بچے کو یکساں بنیادوں پر تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ملنے چاہییں۔ بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں، یہ پاکستانی قوم کے بچے ہیں اور انہیں پوری طرح ان کا حق ملنا چاہیے۔ یہ جو GDP کا 2% سے کم خرچ کیا جاتا ہے یہ تو ایک ظلم ہے ہمارے بچوں کے ساتھ ہماری آنیوالی نسلوں کے ساتھ، ہمارے پاکستان کے ساتھ۔ یہ اگلے بجٹ میں کم از کم 4% of the GDP in the next budget ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ

monitoring and ensure کرنا کہ ہمارے گورنمنٹ کے سکولوں کے standard کو بڑھایا جائے اور اچھا کیا جائے۔

آج کل یہ دنیا ایک global village ہے۔ Media revolution آیا ہوا ہے اور New Science and technology ہر منٹ کے بعد beat کر رہی ہیں اس لیے ہمارے بچوں کو بھی وہ تعلیم چاہیے کہ وہ دنیا کے بچوں کے ساتھ compete کر سکیں اور ہماری education میں اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے۔ Curriculum ایک ہونا چاہیے۔اسکول ایک طرح کے ہونے چاہییں اور یہ private schools آج کل جو دس ہزار، پندرہ ہزار بچے سے بطور فیس چارج کر رہے ہیں اس میں ایک ceiling لگائی جائے۔ یہ تو immediate action government لے سکتی ہے اور teachers کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ ان کے teaching standard کو بڑھانا ہے۔ ان کو education دی جائے، ان کو training دی جائے اور خدا کے لیے ان کی تنخواہ بڑھائی جائے۔ جو قومیں اپنے teachers کی عزت نہیں کرتیں وہ قومیں ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا education standard ختم ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے teachers کو نوکروں سے بھی گئے گزرے treat کرتے ہیں۔ ہمارے drivers and cooks کی تنخواہیں ان کی تنخواہوں سے زیادہ ہیں۔ ان کو اچھی تنخواہیں دیں۔ ان کو اچھی تربیت دیں کہ وہ in turn ہمارے بچوں کو اچھی تعلیم دیں so that ہمارے بچے کل اچھے پاکستانی بن سکیں اور وہ ان چیزوں سے دور رہیں جن سے قومیں ضائع ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ sports اور ایک healthy curriculum ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے اسکول میں کم سے کم lunch کا بندوبست ہونا چاہیے اور سکولوں کی بسیں ہونی چاہیں جیسے تمام دنیا کے ممالک میں ہیں اور بچوں کی safety کا خیال کیا جائے۔ بہت مہربانی۔

جناب چیئرمین: ایس ایم ظفر صاحب۔ Three minutes آپ کو چاہییں ظفر صاحب؟ OK Sir, three minutes to you.

سینیٹر ایس ایم ظفر: محترم چیئرمین صاحب! میں اس وقت Standing Committee for Education Senate کا چیئرمین ہوں، ہمدرد یونیورسٹی کا چانسلر ہوں، کاروان علم کا بھی چیئرمین ہوں اور Fatima Education Foundation کا founder

member ہوں۔ ان تمام حوالوں کے باوجود اور تعلیم کی اتنی بڑی اہمیت ہونے کے باوجود میں تین منٹ بلکہ شاید اس سے بھی کم وقت میں اپنی گفتگو ختم کروں گا۔ حکومت ماں جیسی ہوتی ہے۔ اس میں تو کسی کو کوئی شک نہیں اور اعتراض نہیں لیکن ہماری قوم کی باسٹھ سالہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس ماں کا ایک سوتیلا بچہ ہے اور وہ سوتیلا بچہ تعلیم ہے۔ میں آپ سے عرض کروں کہ جب تک ہمارے اشرافیہ کا ذہن تبدیل نہیں ہوتا جو کہ حکومت میں آتے رہے ہیں، جاتے رہے ہیں۔ آج بھی موجود ہیں کل بھی آئیں گے۔ جب تک ان کا ذہن تبدیل نہیں ہوتا تعلیم کا نظام بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ آپ انہیں تبدیل کرنے کی بات کریں، نظام بھی تبدیل ہوگا، تعلیم بھی تبدیل ہوگی۔

میں نے اس وقت ایک بات کہنی ہے اور اپنے تمام سینیٹر صاحبان سے میری درخواست ہے کہ موجودہ حکومت نے ایک پالیسی بنائی ہے Education Policy 2009–2010. یہ پالیسی ہماری کمیٹی میں زیر بحث آئی ہے۔ اس میں کچھ خامیاں ہیں کچھ اچھائیاں ہیں کچھ بہت سے خلاموجود ہیں۔ میں تمام سینیٹر صاحبان سے درخواست کروں گا کہ وہ اس پالیسی کو ضرور دیکھیں اور اس پالیسی کے تمام خدوخال پڑھنے کے بعد اور سمجھ لینے کے بعد اپنی سفارشات، اپنی تنقید، اپنی آراء ہماری کمیٹی کو بھیجیں تاکہ کوئی ترتیب کے ساتھ بات ہوسکے اور ہم بات کو آگے لے کر جاسکیں۔ یہ گفتگو جتنی یہاں پر ہوئی ہے کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ وہ قوم جس کی ابتداء ہی اقراء سے ہوئی تھی وہ آج بحث کر رہی ہے کہ ہم تعلیم پر اتنا کم بجٹ کیوں صرف کر رہے ہیں؟ جتنی باتیں ہوئی ہیں وہ تمام "چاہییں" کی ہیں یہ چاہیے اور وہ چاہیے۔ ہم سب سے متفق ہیں۔ ایک بات اور آپ سے کہنا چاہوں گا کہ ہمارا جو industrial طبقہ ہے اس کو بھی اس جانب توجہ دینی چاہیے کیونکہ جب تک وہ خود تعلیم کی جانب توجہ نہیں دیں گے اس وقت تک نہ صرف یہ کہ تعلیم کا معیار بھی بہتر نہیں ہوگا بلکہ یہ ان کے مفاد میں ہے، یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس جانب توجہ دیں۔

آخر میں جناب والا، میں نے وعدہ کیا تھا کہ تین منٹ بلکہ اس سے بھی کم پر ختم کروں گا۔ میں آخری بات عرض کروں گا کہ ملک کو کئی قسم کے مسائل اور challenges درپیش ہیں، بہت سے خطرات ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ عدم برداشت بڑھ رہا ہے، دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ارد گرد کے ممالک سے بھی ہمیں بہت سے خطرات ہیں۔ ان تمام کا دفاع، ان تمام کا علاج صرف تعلیم میں ہے۔

The cheapest and the best as the most real defence against all these dangers is education. Let us, therefore, concentrate on it but in a proper, mature manner and therefore I will request all the members to go through the Education Policy 2009−2010. Give your definite recommendations to the committee so that we can reform it. Thank you..

Mr. Chairman: Maulana Shirani Sahib.

سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی: شکریہ جناب چیئرمین صاحب! سب سے پہلے میں یہ گزارش کروں گا کہ پالیسی اور تعداد ادارے یا سہولتیں الگ الگ چیزیں ہیں۔ پالیسی میں بنیادی چیز وہ محرک ہے جو اس پالیسی کے وضع کرنے کے لیے باعث ہوتا ہے۔ جو کچھ آپ نے سنا اور میں نے بھی سنا اس میں یہ ہے کہ ہماری پالیسیاں آئین کی بنیاد پر کم اور دوسروں کی تقلید کی بنیاد پر زیادہ بنتی ہیں۔ اپنی قوم کو آگے بڑھانے کے لیے کم، دوسروں کو راضی کرنے کے لیے زیادہ بنتی ہیں لیکن اگر ہم Education policy پر غور کریں تو ہمیں چاہیے کہ آئین کا Article−2, اور آئین کا Article−31 سامنے رکھیں اور پھر ہم ان کی بنیاد پر اپنی تعلیمی پالیسی بنائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ کے لیے تعلیم میں دو چیزیں بتائی جاتی ہیں۔ ایک ہوتا ہے احساس ذمہ داری جس کو فریضہ کہتے ہیں۔ دوسرا ہوتا ہے حق۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو ترقی یافتہ یا جو رشیدہ قومیں ہیں وہ اپنی قوم کے ہر فرد کے اندر احساس فریضہ پیدا کرتی ہیں کہ تمہاری اپنی ذمہ داری کیا ہے لیکن ہم جیسی قوموں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ تمہارا دوسروں پر حق کیا ہے حالانکہ اگر قوم میں احساس فریضہ پیدا ہو جائے اور ہر ایک۔۔۔۔۔

جناب چیئرمین: مولانا صاحب میں سن رہا ہوں آپ کی بات، جاری رکھیں۔ وہ کچھ خزانے کی باتیں کر رہے ہیں ڈار صاحب اور شوکت صاحب، فنانس کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بھی سن رہے ہیں۔وہ مشاورت کر رہے ہیں کہ فنانس کو کیسے ٹھیک کیا جائے۔

سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی: تو تعلیم کی جو بنیاد ہے اگر وہ آئین کی ترجمانی پر ہو اور قوم کے ہر فرد اور سٹیٹ میں احساس ذمہ داری اور فریضے کا احساس پیدا ہو۔ اس طرح جب ہر فرد میں خود احساس ذمہ داری پیدا ہو گا تو اپنے آپ کی اصلاح کرنا ہر ایک فرد کے اختیار میں ہے لیکن اگر ہم ان کو یہ education دیں کہ تمہارا فلاں پر یہ حق ہے تو پھر اپنے آپ سے اس کی نظریں ہٹ

جائیں گی اور دوسروں کی طرف اس کا ہاتھ بڑھے گا اور اس کی اصلاح اس کے ہاتھ میں نہیں رہے گی تو اس سے جھگڑے پیدا ہوں گے لہذا آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں تک ہمارے مغربی ممالک ہیں، ان کا طریقہء کار تو اپنے ملک کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنا ہے لیکن باہر جاتے ہیں تو وہاں پر حقوق کا پروپیگنڈا کرتے ہیں تاکہ باہر جھگڑے ہوں اور اندر اصلاح آجائے۔ تو ہماری جو پالیسی ہو وہ بھی ایسی ہو کہ ہمارے ہر فرد اور جامعہ میں احساس ذمہ داری پیدا ہو۔

نمبر دو، یہ کہ ہم نے مسلم قومیت کی بنیاد پر اس ملک کو حاصل کیا ہے اور ہمیشہ کے لیے قوموں کا ایک ماضی بھی ہوتا ہے اور جب ماضی سے آپ قوم کو کاٹ لیتے ہیں تو اس میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے اور میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ جب دو فروری 1835 میں لارڈ میکالے نے تقریر کی برطانیہ کی اسمبلی میں تو انہوں نے فرمایا تھا کہ میں ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھوم کر آیا ہوں اور میں نے اس مطالعہ پر کافی وقت لگایا ہے اور پورے ہندوستان میں مجھے نہ کوئی غریب ملا، نہ بھکاری، نہ مجھے چور ملا، نہ ڈاکو۔ بے پناہ دولت و ثروت موجود تھی۔ انتہائی بلند معیار موجود تھا اور ماضی پر ایک گھمنڈ موجود تھا لہذا ایسی قوم پر آپ غلبہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک اس کی کمر نہ توڑ دیں اور کمر توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ پرانے نظام تعلیم کو تبدیل کر دو، ماضی سے کاٹ کر احساس کمتری میں مبتلا کرو اور سرمائے پر ڈاکہ ڈال دو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان تمام چیزوں کا مطالعہ کریں۔

جناب چیئرمین: آخری بات کر لیجیے۔ وقت کم ہے۔ لارڈ میکالے نے پچیس سال لگائے تھے اور اس کے بعد قانون دیا تھا۔

سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی: تیسری بات یہ ہے کہ یہاں ایوان میں ہم سنتے ہیں کہ گویا یہ جذباتیت، یہ تشدد، یہ عدم برداشت، یہ مدرسوں کی پیداوار ہے۔ جناب والا! جب حکومت نہ آئین کی پاسداری کرے، نہ اس قومی سرمائے کا نہ مسلم قوم کی اقدار اور اخلاق کی پاسداری کرے اور نہ اس کا اجتماعی اور انفرادی ہدف ہو تو پھر لوگوں میں جھگڑے ڈلوا کر اپنے اقتدار کو طوالت دیتی ہے۔ ان ساری باتوں کی ذمہ داری حکومت کی ہے مدرسوں کی نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: آپ بھی حکومت کے coalition partner ہیں۔ Conclude کیجیے۔

سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی: ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب کا ایک شعر آپ کو عرض کرتا ہوں۔ انہوں نے جاوید نامے میں فرمایا ہے اور عنوان ہے شیطان کی نصیحت اپنے سیاسی شاگردوں کو۔

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو اس کے کوہ دمن سے نکال دو

جناب چیئرمین: آپ کا شکریہ۔ سینیٹر کلثوم پروین صاحبہ۔

سینیٹر کلثوم پروین: جناب چیئرمین! میں آپ کی سمع خراشی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے پتا ہے کہ وقت کی تنگی دامن گیر ہے اور آپ نے ایوان کا بہت بزنس چلانا ہے مگر آپ سے یہ assurance ضرور لوں گی کہ آج میں تقریر نہیں کروں گی کیونکہ میں نے بھی پچیس سال تعلیم کو دیے ہیں اور دس نکات لکھے ہیں یہ میں تعلیمی کمیٹی میں دے دوں گی یا آپ کو لکھ کر دے دوں گی لہذا معذرت کے ساتھ اجازت چاہوں گی اور آئندہ آپ مجھے ۱۵ منٹ دیں گے تو میں بولوں گی۔ شکریہ جناب چیئرمین۔

جناب چیئرمین: آپ اپنے points ایس ایم ظفر صاحب کو دیجیے جو ایجوکیشن کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ جیسے آپ صحت کی کمیٹی کی چیئرمین ہیں، لوگوں کو چاہیے کہ وہ آپ کو health کے بارے میں بتلائیں۔ فرح عاقل صاحبہ۔

سینیٹر فرح عاقل: جناب چیئرمین! لگ رہا ہے کہ یہ formality ہو رہی ہے جو ہم جلدی جلدی میں بول رہے ہیں۔ یہ بہت اہم موضوع ہے بہر حال میں کوشش کروں گی کہ وہ باتیں repeat نہ کروں جو کہی جا چکی ہوں۔ میں اپنے perspective سے یہاں girl child کی تعلیم کے بارے میں بات کرنا چاہوں گی کیونکہ صوبہ سرحد میں اور remote areas میں بچیوں کی تعلیم بہت بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ community based schools جو پہلے کھلے تھے وہ فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے بند ہیں اور اس وجہ سے ستر ہزار بچیاں جو ان سکولوں میں پڑھتی تھیں وہ سکول نہیں جا پا رہی ہیں۔ اس سے بہت زیادہ نقصان ہو رہا ہے۔ دوسری طرف جو بمباری اور خود کش حملوں سے صوبہ سرحد میں اور اس کے adjacent areas میں صورت حال پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں سکول تباہ ہوئے ہیں اور اس وجہ سے بچیوں کی تعلیم بہت برے طریقے سے متاثر ہو رہی

ہے۔ میں چاہوں گی کہ حکومت اس بارے میں جلدی کچھ کرے کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ خواتین ہماری آبادی کا نصف حصہ ہیں اور اگر ہم آج کی بچی کو تعلیم یافتہ نہیں کریں گے اور اس کو باشعور نہیں بنائیں گے۔۔ کیونکہ اس نے آگے چل کر پورے خاندان کو چلانا ہوتا ہے اور پورے سسٹم کو بنانا ہوتا ہے۔ اگر آج کی بچی تعلیم یافتہ ہوگی، سمجھدار ہوگی تو وہ آگے چل کر نہ صرف اپنے ملک کے لیے ایک اچھی شہری ثابت ہوگی بلکہ اپنے خاندان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

جناب والا! میں یہاں پر انڈیا کی ریاست کیرالہ کی مثال دینا چاہوں گی کہ وہاں بہت زیادہ آبادی بڑھتی جارہی تھی تو ایک study ہوئی اور تجربے کے طور پر وہاں کی خواتین کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک، دو سال کے اندر ان کے ہاں جو بے تحاشہ growth rate بڑھ رہا تھا وہ کم ہوگیا کیونکہ عورت کو realise ہوگیا کہ اس کی صحت کتنی اہم ہے۔ اگر وہ realise کرے گی کہ وہ صحت مند ہے تو پھر ہی وہ آگے پورے خاندان کو چلا سکتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اب بھی یہ بہت shocking بات ہے کہ کئی گھرانے ایسے ہیں جو بچیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتے، I am sorry to say کہ کچھ لوگوں کو شاید برا بھی لگے، ویسے تو بڑے نیک، پاک باز اور بڑے مذہبی ہیں مگر وہ بچیوں کی تعلیم کے سخت خلاف ہیں۔ میں کئی خاندانوں کو جانتی ہوں جو آج بھی سمجھتے ہیں کہ اگر ہماری بچی سکول چلی گئی تو یہ بہت خراب اور خطرناک بات ہے۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ زمانہ کدھر جارہا ہے اور ہمارے ملک میں آج بھی ایسے خاندان موجود ہیں جو بچیوں کو بالکل تعلیم نہیں دیتے۔ تو میں یہاں پر ان بچیوں کی طرف سے پرزور اپیل کروں گی بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گی اور ایک دفعہ بات بھی ہوئی تھی کہ والدین پر بچیوں کو تعلیم دلانا mandatory ہونا چاہیے اور جو والدین بچیوں کو سکول نہیں بھیجتے ان کو punishment ملنی چاہیے۔ کوئی ایسا طریقہ کار ہو کہ یہ ensure کرایا جائے کہ جتنی بچیاں school going age کی ہیں، خواہ وہ جس علاقے میں بھی رہتی ہیں اگر ان کے لیے حکومت یہ سہولت فراہم کررہی ہے کہ ان کے قریب کہیں بھی سکول ہے تو صرف اس وجہ سے نہیں کہ ان کی cultural values ان کو اجازت نہیں دیتیں یا وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی عزت کو دھچکا لگ جائے گا اگر ان کی بچی سکول چلی گئی کیونکہ آج بھی یہ سوچ موجود ہے جو بہت خطرناک ہے کہ اگر لڑکی نے تعلیم حاصل کرلی تو وہ خراب ہوجائے گی۔ This is very wrong میں لڑکوں کی تعلیم کے خلاف نہیں ہوں مگر میں چونکہ عورت ہوں اس لیے چاہتی ہوں کہ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

جناب چیئرمین: لڑکیوں کی تعلیم کی طرف حکومت کو توجہ دینی چاہیے۔ آپ کا شکریہ۔ ڈاکٹر بلیدی صاحب۔ ڈاکٹر صاحب دو منٹ میں conclude کیجیے۔

سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی: جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع کے لیے آپ ایک دن مختص کریں اور اس پر پوری debate ہونی چاہیے۔ اب اگر ہم اس پر بات کر رہے ہیں تو میرے خیال میں یہ نشستند، گفتند، برخاستند ہوگا۔

جناب چیئرمین: میرے خیال میں اس پر Parliamentary leaders decide کر لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سینیٹر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی: وزیر صاحب بھی موجود نہیں ہیں۔ سیکریٹری صاحب تو بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ان کے پاس اختیارات نہیں ہیں۔ یہ تو ہم سینیٹ کا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں لیکن خیر جو آپ نے حکم دیا ہے اس کی پاسداری کروں گا۔ تعلیم کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہاں یکساں نظام تعلیم نہیں ہے۔ وزیر اعظم، سینیٹر کا بیٹا یا بڑے بیورو کریٹس کے بیٹے بڑے بڑے اداروں میں پڑھتے ہیں جو کہ دس، پندرہ، بیس، تیس، پچاس ہزار روپے اور ایک لاکھ روپے تک فیس دیتے ہیں۔ جس غریب آدمی کے چار، پانچ بچے ہیں اور وہ دیہات میں رہتا ہے اور اس کا کوئی روزگار نہیں ہے، میرا مکران سے تعلق ہے وہاں ایسے علاقے ہیں کہ جہاں چار، چار سو بچے دھوپ میں بیٹھے ہوئے تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہاں کرسی تو کجا بیٹھنے کے لیے ٹاٹ بھی نہیں ہیں اور وہاں استاد تو بالکل نہیں ہیں اگر دو سو بچے ہیں تو ان کو پڑھانے کے لیے دو استاد ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ غریب اپنے بچوں کی فیس ادا نہیں کر سکتے۔ کیا غریب جو اس ملک کی آبادی کا بڑا حصہ ہیں ان کا یہی جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غریب پیدا کیا ہے ؟ اگر نہیں تو اس حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کم از کم ان غریبوں کے لیے کوئی ایسا نظام تعلیم بنائے۔ اگر آپ لندن یا امریکہ جائیں تو وزیر اعظم کا لڑکا بھی اسی ادارے میں پڑھتا ہے جہاں ایک مزدور کا لڑکا پڑھتا ہے۔ اس ملک میں پٹواری اور تحصیل دار کو لوگ salute کرتے ہیں لیکن ایک لیکچرار یا وائس چانسلر کو دیکھ کر لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو کوئی سہولت حاصل نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اساتذہ کی تنخواہ دوسرے ملازمین کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہونی چاہیے اور ہمارے معاشرے میں ان کا ایک احترام ہونا چاہیے۔ ان کی چار گنا تنخواہ زیادہ ہونی چاہیے تا کہ ان کا ایک image اور احترام ہماری

سوسائٹی میں بن سکے۔ میری گزارش ہے کہ تعلیم کے لیے funds دوسرے تمام departments کے funds کاٹ کر بڑھائے جائیں تاکہ غریبوں کے بچوں کو بھی اچھی تعلیم دی جا سکے۔

جناب چیئرمین: جی شاہ صاحب۔

سینیٹر ایس ایم ظفر: کیا آپ کی جانب سے کوئی حکم وزارت تعلیم کو جاری ہو سکتا ہے کہ وہ تمام ممبران کو تعلیم کی پالیسی کی ایک ایک کاپی پہنچا دیں جو اردو اور انگریزی دونوں میں ہو؟

جناب چیئرمین: جی بخاری صاحب۔

Senator Syed Nayyer Hussain Bokhari: Suggestion would be carried out.

Mr. Chairman: The copies of the policy in English as well as in Urdu be distributed among all the members within one week.

Senator Syed Nayyer Hussain Bokhari: That would be done. Yes, Dr. Soomro Sahib.

سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو: میری پہلی گزارش یہ ہے کہ جب ہم تعلیم کے حوالے سے سوچتے ہیں تو ہمیں secular بن کر نہیں سوچنا چاہیے بلکہ مسلمان بن کر سوچنا چاہیے۔ ہم مسلمان ہیں۔ اس ملک کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور لاکھوں لوگوں نے قربانی دی وہ اسی نعرے پر دی گئی کہ پاکستان کا مطلب کیا، لاالہ الااللہ۔ جب برصغیر پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو انھوں نے جو نظام تعلیم دیا، لارڈ میکالے جو اس کمیٹی کا سربراہ تھا اس نے کہا کہ میں ایسا نظام تعلیم دے رہا ہوں کہ یہ ہندو اور مسلمان اس نظام کے پڑھنے کے بعد یا تو یہ عیسائی بن جائیں گے اگر عیسائی نہ بن سکے تو کم از کم ہندو اور مسلمان بھی نہیں رہیں گے۔

میں گزارش کرتا ہوں کہ قیام پاکستان کے بعد بھی ہم نے نظام تعلیم کو نہیں بدلا، اسی نظام تعلیم کو چلایا جس کے نقصانات ہمارے سامنے ہیں کہ اس نظام تعلیم کے پڑھنے والے جب بڑی بڑی کرسیوں پر آتے ہیں، ذرا اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس تعلیم کے نتیجے میں دہشتگرد، چور، رشوت خور، قومی خزانہ لوٹنے والے پیدا ہوں تو اس پر بھی تو سوچیں کہ آخر خامی کیا ہے؟ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دو بنیادی چیزیں ہیں اور کتاب اللہ کا جو مضمون ہے وہ انسان ہے۔ کتاب اللہ اور سنت

رسول اللہ کے سوا ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، میں مانتا ہوں کہ فنون کی بھی ضرورت ہے لیکن دینی علوم کی بھی ضرورت ہے اور کتاب اللہ کا مضمون انسان ہے۔ بڑے مضامین تین ہیں، توحید، رسالت اور آخرت۔ ہماری ان جدید کتابوں میں اس کا تذکرہ فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی میں نہیں ملتا۔ یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ مسائل آپ کو ان کتابوں میں نہیں ملیں گے۔ انجینیئرنگ کی کتابوں میں، میڈیکل کی کتابوں میں یہ چیزیں آپ کو نہیں ملیں گی۔ اگر یہ چیزیں ہماری سرکاری اداروں میں پڑھائی جاتیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا بہت سارا مسئلہ حل ہو جاتا۔ میں مصر بھی گیا ہوں، میں سعودی عرب بھی گیا ہوں اور میں مصر میں الازہر یونیورسٹی میں پڑھا ہوں۔ وہاں کے سرکاری اداروں میں اتنی دینی تعلیم دی جاتی ہے کہ میٹرک پاس بچہ بھی اچھا خاصا مولوی بن جاتا ہے۔ یہاں پر سارا نظام الٹ ہے اس لیے پورے نظام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ فنون یعنی engineering, medical وغیرہ یہ زندگی کی ضرورت ہیں اور دینی علوم یہ زندگی کا مقصد ہیں۔ ہمیں پڑھایا جاتا کہ آپ کا aim of life کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہم ڈاکٹر بنیں گے، انجنیئر بنیں گے وغیرہ لیکن اسلام کیا کہتا ہے؟ ہماری زندگی کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہونی چاہیے۔ جب تک خوف خدا نہیں پیدا ہو گا، تقویٰ و پرہیز گاری اختیار نہیں کی جائے گا تب تک اس معاشرے سے یہ ناسور ختم نہیں ہو سکتے۔ میری ایک بہن نے کہا کہ بچیوں کی تعلیم، واقعی یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، تعلیم کی اہمیت ہے، اگر کچھ لوگ اپنی بچیوں کو مخلوط اداروں میں چھوڑنا نہیں چاہتے، مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری بچیوں کے لیے آپ پردے کے اہتمام کے ساتھ schools کھولیں تو اس میں کیا حرج کی بات ہے۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ اس وقت ان تمام چیزوں پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ تقریباً تمام ارکان کا اتفاق ہے کہ صحت اور تعلیم کے شعبے پر بجٹ کم از کم دگنا ہونا چاہیے۔

میں گزارش کرنا چاہتا ہوں یہ طبقاتی فرق تب ختم ہو گا جب schools ایک جیسے ہوں۔ جس سکول میں صدر مملکت کا بیٹا پڑھے، غریب کا بیٹا اسی سکول میں پڑھے، جس ہسپتال میں وزیراعظم کا علاج ہو، مزدور کا علاج اسی ہسپتال میں ہو تب طبقات سے جان چھوٹے گی۔ میں یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے صوبے سندھ میں ہزاروں schools بند پڑے ہوئے ہیں، وہاں استاد نہیں ہیں، اساتذہ کی ہزاروں آسامیاں خالی ہیں، بہت مرتبہ اس ضمن میں tests conduct کیے گئے لیکن وہ آسامیاں پر نہیں کی جا رہی ہیں کیونکہ وہ سفارشوں کا پھڈا پڑا ہوا ہے۔ جناب! میرٹ پر لوگوں کو بھرتی کیا جائے،

قابل لوگوں کو بھرتی کیا جائے، حق داروں کو حق دیا جائے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو سامنے لاؤ اور اس کے ساتھ ان کی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے، ایسا کرنے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپ کی مہربانی۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ میرے خیال میں سورہ یوسف ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، ہم نے یہ کتاب عربی میں اتاری تاکہ تم اس کو سمجھ سکو۔ آج تک آپ لوگ کوئی Bill لے کر آئے کہ اس ملک کے اندر عربی کی تعلیم mandatory and compulsory ہونی چاہیے، نہیں۔ کوئی ٹھیک ٹھاک خدمت کریں۔ حافظ رشید صاحب۔

سینیٹر حافظ رشید احمد: شکریہ جناب چیئرمین۔ سب سے پہلے تو میں جناب طلحہ محمود صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس اہم مسئلے کی طرف ایوان کی توجہ دلائی۔ جناب چیئرمین! جیسا آپ نے حکم فرمایا، میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ آپ کو مجبور کروں کہ بار بار آپ کہیں کہ مختصر کریں۔

جناب چیئرمین! آپ کو معلوم ہے کہ میرا تعلق فاٹا سے ہے۔ فاٹا کی جو آج کل صورتحال ہے اور جن مسائل سے دوچار ہے اس کے متعلق ہر کوئی اپنی آراء دیتا ہے کہ اس کا فلاں حل ہے۔ میرے خیال میں جب تک ہم نے اس بات پر توجہ نہ دی کہ ان مسائل کے اسباب، عوامل اور وجوہات کیا ہیں اس وقت تک یہ مسائل ختم نہیں ہوں گی۔ ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہاں تعلیم نہیں ہے۔ جناب! اگر ملک کے کسی کونے میں بھی education نہیں ہو گی تو وہاں کی صورتحال ٹھیک نہیں ہو گی۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا (الر تلک آیات الکتاب المبین انا انزلنہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون) قرآن مجید کا صاف صاف بیان ہے۔ واقعی ہم ہی میں کوہتاہیاں ہیں، ہم ہی میں کمزوریاں ہیں، ابھی تک ہم نے اس بات پر سوچا تک نہیں ہے کہ کم از کم ہم ایک بل تعلیم کے بارے میں لے آئیں کہ ہمارا ذریعہ تعلیم بہتر ہو۔ جناب! انشاء اللہ ہم اس پر کام کریں گے۔

جناب! فاٹا کی جو حالت دگرگوں ہے اس کی main reason education کا نہ ہونا ہے۔ میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگلی مرتبہ بجٹ میں فاٹا کے لیے خاصی رقم مختص کی جائے۔ میں تھوڑی سی فاٹا کی صورتحال کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ UN کی ایک رپورٹ ہے کہ ابھی تک ایسے خاندان ہیں جو ابھی تک اپنی بچیوں کو تعلیم کے لیے سکولز نہیں جانے دیتے۔ فاٹا میں بچیوں کی

شرح تعلیم دو فیصد ہے۔ مردوں کی تعلیم بارہ فیصد ہے۔ جناب! پورے فاٹا میں ایک یونیورسٹی بھی نہیں ہے۔ ادھر سیفران کے وزیر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں میں ان کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہوں کہ مجھے بتایا جائے کہ اتنے بڑے علاقے میں کوئی یونیورسٹی ہے؟ ۲۰۰۱ سے لے کر اب تک ایک نیا پرائمری سکول بھی نہیں بنایا گیا۔ اس کے برعکس ہمارے لوگوں کو جلوزئی اور ٹانک وغیرہ کے کیمپوں میں بٹھا دیا گیا ہے اور ہماری تعلیم کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ وہاں کوئی اساتذہ وغیرہ نہیں ہیں اور تعلیم نہیں دی جاتی۔ جناب چیئرمین! آپ ہی سوچیں کہ اس صورتحال میں ہمارے ہاں خراب لوگ پیدا نہیں ہوں گے۔ اس صورتحال میں آپ ہم سے توقع کریں گے کہ ہمارے ہاں ڈاکٹر عبدالقدیر، سکالرز اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے لوگ پیدا ہوں گے، جناب! ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ ہمیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہی نہیں ہیں۔ آپ ہمارے لیے غور و فکر کرتے ہی نہیں ہیں اس طرح تو اللہ ہی ہمارا محافظ ہے۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: بہت شکریہ۔ جی حاجی غلام علی صاحب۔

سینیٹر حاجی غلام علی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آج ایک اہم موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ اس ایوان میں بیٹھے ہوئے لوگ آج ہی اس ایوان کے ممبر بنے ہیں اور یہ گلے کر رہے ہیں کہ تعلیم کی پالیسی کون ٹھیک کرے گا؟ پہلے تو قوم کو یہ بتانا چاہیے کہ اس ملک پر کن لوگوں نے حکومت کی جنہوں نے آج تعلیم کو اتنا پست کر دیا کہ کسی کو بھی تعلیم نہیں مل رہی ہے۔ اس کے ذمہ دار کون ہیں؟ اگر ہم نے پالیسی change نہیں کی اور ہم 62 سالوں سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں لائے تو اس کا مطلب ہے کہ اب قوم تبدیلی لائے اور جب قوم نے تبدیلی لائی، جب ایک صوبے میں قوم نے تبدیلی لائی تو میں آپ کو figures بتاتا ہوں کہ 1947 سے لے کر 2001 تک صوبہ سرحد میں 104 کالج تھے۔ جب غریب لوگوں کی حکومت آئی۔ وڈیرے اور خان، خوانین کو crash کر دیا گیا اور جب غریب لوگوں کی حکومت آئی تو انہوں نے ان کالجوں میں 95 کالجوں کا اضافہ کیا۔ 63 سالوں سے 104 کالج تھے اور 5 سالوں میں 95 کالجوں کا اضافہ کیا گیا۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں صرف چار یونیورسٹیاں تھیں اور جب غریب لوگ انقلاب لائے تو سات یونیورسٹیاں ہو گئیں۔ اسی طرح پشاور اور مردان میں اے گریڈ کے ہسپتال تھے اور جب غریب لوگ انقلاب لائے تو تمام ضلعوں میں اے گریڈ کے ہسپتال بنائے گئے۔ تو پھر ہم کس سے مطالبہ کریں کہ بھائیو اٹھو اور اپنے حقوق کے لیے تبدیلی لاؤ۔

یہ لوگ 63 سالوں سے ناکام ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ایجوکیشن کے لیے کوئی پالیسی نہیں دی، ہیلتھ کے لیے کوئی پالیسی نہیں دی۔ اگر کوئی پالیسی دیں گے تو وہ لوگ دیں گے جو آپ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لیے آپ کا بچہ جس سکول میں پڑھتا ہو۔ میں نے پرسوں ایک آدمی سے سنا ہے کہ میرا بچہ پانچویں میں پڑھ رہا ہے اور میں 74000 روپے مہینے کی فیس دے رہا ہوں۔ کس طرح ہم ایک غریب بچے کو اس 74000روپے ماہانہ فیس دینے والے کے ساتھ امتحان میں بٹھائیں گے؟ اس میں چپڑاسی کا بچہ چپڑاسی پیدا ہوگا اور قلی کا بچہ قلی ہی پیدا ہوگا۔ ان لوگوں نے 62 سال میں یہی نظام دیا ہے۔ اس میں تبدیلی لانی ہوگی۔ ہم تو اس خوبصورت ایوان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ہونا چاہیے کہ جس طرح ہمارا ملک تھا اس طرح ایوان ہونا چاہیے تھا کہ لکڑی کے ڈاگے پڑے ہوتے اور ہم اس میں تعلیم دیتے اور ہم اسمبلی کا اجلاس منعقد کرتے تاکہ جو لوگ باہر سے آتے ہیں ان کو پتہ چل جاتا کہ بھئی یہ غریب ملک ہے۔ میں بھی دنیا میں پھرا ہوں۔ دنیا کے ممالک میں کسی کی اسمبلی اس طرح نہیں ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ یہ ہم سے بڑا landlord ہے تو پھر ہمارے سکول کیسے ہوں گے؟ جناب چیئرمین! سنجیدگی سے اس مسئلے کو لیجیے اور خدارا! تعلیم اس ملک میں ہے ہی نہیں اور جو ہے اس میں بھی حکومت وقت کی سیاسی مداخلت کی وجہ سے کوئی ٹیچر کام نہیں کرتا۔ 80 فیصد ٹیچرز تمام دن وزیر تعلیم کے دفتر میں تبادلوں کے لیے سفارشیں کرتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ اگر آپ تعلیم ٹھیک کرنا چاہتے ہیں تو جو حکومت اس وقت اس پر بجٹ خرچ کر رہی ہے اس کو تو خدارا! درست کریں۔ میں صوبہ سرحد لوں گا اور پھر پشاور لوں گا۔ پشاور میں سب سے اچھا سکول پشاور ماڈل سکول ہے اور اس کی فیس پانچویں کلاس کے لیے700 روپے ہے۔ گورنمنٹ سکول پر ہم 750روپے فی بچہ خرچ کر رہے ہیں لیکن ان سکولوں میں میٹرک کے امتحان میں ایک بچہ بھی پاس نہیں ہوتا ہے۔

جناب چیئرمین: Conclude کر لیجیے۔

سینیٹر حاجی غلام علی: Conclude کرتا ہوں۔ جناب چیئرمین صاحب! اس کے لیے ایک کمیٹی بنائیں اور خدارا! تعلیم پر سیاسی سفارشات سے ہٹ کر توجہ دیں اور حکومتوں کو یہ سختی سے ہدایت دی جائے کہ تعلیم میں صرف اور صرف میرٹ پر بھرتی ہو تاکہ وہ لوگ تعلیم دے سکیں۔ ہم نے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کو بے روزگاری کا ایک ادارہ بنایا ہوا ہے۔ بوگس سرٹیفکیٹ لے کر وہاں پر لوگ بھرتی ہوتے ہیں۔ جناب چیئرمین صاحب! اس پر ایجوکیشن کمیٹی کے جو چیئرمین صاحب ہیں ہم امید

کرتے ہیں کہ وہ تبدیلی لائیں گے لیکن وہ تو اس ایوان میں پہلے بھی 20سالوں سے آرہے ہیں۔ اس نے پہلے کیا کیا ہے؟ خدارا اس میں نئے لوگوں کو ڈالیں کہ وہ تبدیلی لائیں اور اگر تبدیلی نہیں آئے گی تو ایک وقت آئے گا کہ اس ایوان میں جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو انشاء اللہ قوم مسترد کرے گی۔

Mr. Chairman: Thank you. Senator Bangash sahib.

سینیٹر عبدالنبی بنگش: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سب سے پہلے میں کہنا چاہوں گا کہ اس کو ایک سیاسی ایشو میرے خیال میں نہیں بنانا چاہیے۔ ایک بہت ہی sensitive issue ہے۔ پچھلی حکومتوں میں ہم نے یہ بھی سنا تھا کہ گورنر ہاؤس اور وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بھی یونیورسٹیاں بنائی جائیں گی اور ان کے وزراء مساجد میں بیٹھیں گے لیکن جب اقتدار آیا تو پتا چلا کہ وہ لوگ کہاں بیٹھے تھے؟ 95 تو کالج بنے تھے اور پتا نہیں کہ مدرسے کتنے بنے تھے؟ جن لوگوں نے سینکڑوں سکول اڑائے وہ کون لوگ تھے؟ یہ بھی ایک الگ سی داستان ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اس طرح نہیں جانا چاہیے۔

جناب چیئرمین: ایجوکیشن پر آجائیں۔ کافی ٹائم ہو گیا ہے اور اب ٹائم کم ہے۔

سینیٹر عبدالنبی بنگش: جناب چیئرمین! میں اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ سب سے بڑی بدبختی اس گھر کی اور کیا ہو سکتی ہے جہاں چوکیدار کو 80روپے ماہانہ دیا جائے اور صرف 20روپے پر پورا گھر چلایا جائے۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ ایجوکیشن کے لیے میرے خیال میں اس وقت صرف 2 فیصد بجٹ مقرر ہے اور اس میں بھی ہمارا جو سسٹم ہے اس میں صرف ایک فیصد تعلیم پر لگتا ہو گا۔ میرے خیال میں بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں ایک اور بات کہتا چلوں۔ دوسری بات ایک اور بھی ہے کہ سب کچھ حکومت پر ڈالنے کی بجائے اس وقت ہم باچا خان ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تحت پورے پشتون خواہ میں اس وقت 14سکول already چلا رہے ہیں، جن میں free uniform, free books, free education and everything free دیئے جا رہے ہیں۔ میں اپنے گاؤں میں ایک سکول چلا رہا ہوں الحمدللہ اس میں ہمارے تعلیم کا معیار کیمبرج کے برابر ہے۔

Mr. Chairman: Very good, ماشاءاللہ

سینیٹر عبدالنبی بنگش: ہم 350سے 400تک بچوں سے ایک روپیہ فیس بھی وصول نہیں کرتے۔ ان کو بہت خوبصورت قسم کا یونیفارم بھی دیا جاتا ہے اور اعلیٰ قسم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ہم اگر یہاں جتنے بھی لوگ ہیں، جو ایک ایک لاکھ روپے اپنے بچے کے لیے فیس دے سکتے ہیں۔ میں

400 ,350 بچوں کے لیے مہینے کا تقریباً سوا لاکھ سے لے کر ڈیڑھ لاکھ روپے تک خرچ کر رہا ہوں۔ جناب چیئرمین! آپ اندازہ لگائیں کہ ٹھیک ہے کہ بلڈنگ ہماری اپنی ہے، ان 400 بچوں پر ڈیڑھ لاکھ روپے مہینے کا خرچہ ہے۔ اسے ہر کوئی برداشت کر سکتا ہے۔ ہر کوئی اپنے گاؤں میں ایک سکول کھول سکتا ہے۔ ہاں، دوسری طرف میری بچیاں، میری ایک بچی جو Los Angles University of California میں پڑھ رہی ہے اور دوسری Kings College London میں پڑھ رہی ہے۔ ان کا بھی مجھ پر حق ہے لیکن اگر ہم اپنی قوم کے بچوں کو اپنے بچے نہیں سمجھیں تو آپ مزید طالبان اور مزید دہشت گرد پیدا کریں گے۔ یہ بھی ہمارے بچے تھے اور ہمارے بچے ہیں، اس قوم کے بچے ہیں۔ ہم نے ان کو جان بوجھ کر جاہل رکھا اور جان بوجھ کر بھوکا رکھا تو آج وہ پاگل اور وحشی ہو گئے ہیں اور جو آنے والا وقت ہے، جناب چیئرمین! اس دن سے ڈرو کہ یہ لوگ ہمارے ان بڑے بڑے محلوں تک پہنچ جائیں گے۔ کونسی جگہ ہے جہاں تک یہ نہیں پہنچے۔ اس دن سے ڈرو جب یہ ہمارے بڑے بڑے جو محلات ہیں۔ یہ کھنڈر ہوں گے اور یہ لوگ ان پر قابض ہوں گے۔ ایک مثال دیتا ہوں میں پچھلے بیس سال سے UAE میں ہوں ان شیوخ نے، ان Kings نے جو جدی پشتی Prince ہیں ان کے all resources سب کچھ ذاتی ہیں ان کی Leadership نے جا کر بدوؤں کے خیموں میں، صحراؤں میں، ریگزاروں میں جا کر ان کے والدین کو منت کی کہ آپ اپنے بچے ہمیں دے دیں ہم ان کو پڑھاتے لکھاتے ہیں۔ ہمارے وڈیروں کی طرح نہیں کیا کہ اگر یہ پڑھ لکھ جائیں گے تو پھر ہم سے حقوق مانگیں گے۔ نہیں، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ کل ان میں یہ شعور پیدا ہو گا کہ یہ جمہوریت کی بات کریں گے پھر ہم سے یہ بساط چھین لیں گے۔ نہیں، انہوں نے نیک نیتی سے کام کیا۔ آج UAE کے مرد و زن 100% educated ہیں آج وہاں پر نہ terrorism ہے نہ کوئی اپنے شہنشاہ کو۔۔۔۔۔

جناب چیئرمین: اب conclude کر لیجئے۔

سینیٹر عبدالنبی بنگش: وہ اپنے King کو کیوں change کریں جبکہ وہ انصاف پرست ہیں اور ان کا جو حق ہے ان کے گھر تک پہنچاتے ہیں اس کو عزت دی، عزت نفس دی۔ میں صرف اتنا کہوں گا، آخری بات conclude کرنا چاہ رہا ہوں جناب چیئرمین! حکومت کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے کو بھی۔۔۔

جناب چیئرمین: پہلے ایسی پالیسی تو لائیں تا کہ اس ملک کے بچے قرآن شریف سمجھ سکیں۔

سینیٹر عبدالنبی بنگش: ہمارا مذہب ہماری بنیاد ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ دسویں جماعت تک سرٹیفکیٹ ہی نہ دیں جب تک کسی نے قرآن شریف نہ پڑھا ہو لیکن یہ پالیسی لے آئیں۔ میں آخری بات یہ کہنا چاہوں گا کہ حکومت کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی اپنی ذمہ داری نبھائیں اور مخیر حضرات بھی اس سے آگے بڑھیں تا کہ ہم اپنے بچوں کو پڑھا سکیں۔ شکریہ

جناب چیئرمین: شکریہ، پرویز رشید صاحب last speaker اس کے بعد منسٹر صاحب جواب دیں گے۔شاہ صاحب جواب دیں گے۔ be exact and precise, I know you are very exact man.

سینیٹر پرویز رشید: میں صرف دو باتیں عرض کرنا چاہ رہا ہوں مجھے ایک بات کرنی تھی لیکن چونکہ ایک فاضل رکن نے لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے بارے گفتگو کی تو میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لارڈ میکالے کا دیا ہوا نظام تعلیم تھا جو برصغیر کو جہالت سے نکال کر تہذیب کی روشنی میں لے کر آیا تھا۔ جناب والا! ہمارے جتنے قائدین تھے جنہوں نے آزادی کی تحریک سے پاکستان کو حاصل کیا اور جس عظیم شخصیت کی تصویر کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں وہ بھی لارڈ میکالے کے نظام کی پیداوار تھے جنہوں نے آزادی اور جمہوریت کی شمع کو روشن کیا۔

جناب چیئرمین: یہی تو میں نے کہا کہ انہوں نے اس کے لیے 25 سال محنت کی تھی۔

سینیٹر پرویز رشید: تو لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کو ہم ایک جملے میں برا نہیں کہہ سکتے۔ وہی نظام تعلیم جو تھا جو حیوانوں سے انسانوں میں تبدیل کر کے گیا۔ اب میں آج کے موضوع پر آتا ہوں۔ اس موضوع پر بہت گفتگو کی گئی۔ پاکستان بننے سے لے کر آج تک جتنے تعلیمی کمیشن قائم کیے گئے اور جتنی رپورٹیں ان پر تشکیل دی گئیں اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو پاکستانی قوم امریکنوں سے، برطانیہ سے، جرمنی سے، جاپانیوں سے سب سے زیادہ پڑھی لکھی ہو، ہم نے اس پر اتنی تقاریر کی ہیں اتنی تعلیمی پالیسیاں ہم نے بنائی ہیں اور اتنی رپورٹیں مرتب کی ہیں لیکن افسوس کہ آج پھر ہم ایک ایسے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں جس پر ہمیں 1947 میں فیصلے کر کے آگے کی طرف چلنا چاہیے تھا۔

جناب چیئرمین! میرے نزدیک میں سوچتا ہوں صرف ایک حل ہے کہ ہم ایک قانون بنائیں اور وہ قانون یہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کا ہر سرکاری افسر، پاکستان کا ہر حکمران وزیر اعظم، صدر، وزیر، اراکین پارلیمنٹ ہم سب کے بچے سرکاری تعلیمی اداروں اور سرکاری سکول جو ہیں ان میں تعلیم حاصل کریں گے۔ کسی کو اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنے بچوں کو پرائیویٹ سکولوں میں بھیجیں پھر آپ دیکھیں کہ دنوں میں آپ کے سرکاری سکول کتنے اعلیٰ معیار کے بن جائیں گے ان کا نصاب کتنا اچھا ہو جائے گا اور یہ تقاریر جو ہم کر رہے ہیں اس کی ضرورت سے ہم سب کو چھٹکارا مل جائے گا۔ بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ سیمی صاحبہ آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ ایک منٹ بس

سینیٹر سیمیں صدیقی: ایک منٹ بلکہ اس سے بھی کم لوں گی۔ یہاں تعلیم کے سلسلے پر کافی باتیں ہوئی اور میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے سلیبس پر غور کرنا چاہیے اور اس میں تبدیلی لانی چاہیے اور پبلک سکول زیادہ ہونے چاہیئں۔ جناب! میں ایک تجویز دینا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے آپ نے سورۃ یوسف کی آیت کو quote کیا ہے۔ ہمارے قرآن کی جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ بھی اقراء سے نازل ہوئی۔۔۔

جناب چیئرمین: اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق۔

Read in the name of Your Lord who has created He has created Man from clot. Read! And your Lord is the Most Generous who has taught by the Pen..

سینیٹر سیمیں صدیقی: میری تجویز ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو بہت deputed ہے میری تجویز یہ ہے کہ class-1 سے جس طرح English is started as a language عربی کو بھی اسی طرح as language شروع کیا جائے تاکہ ہماری جو آنے والی generation ہے وہ خود قرآن کو پڑھے اور خود سمجھیں اور کسی کے محتاج نہ رہیں کہ کوئی انہیں سمجھائے۔ آج ہم جو terrorists دیکھ رہے ہیں یہ ہمارے بچے جو terrorism کی طرف جا رہے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مسجد سے قرآن تو حفظ کر لیتے ہیں۔ حافظوں کی بات تو میں نہیں کرتی۔ ویسے generally جو ہے وہ طوطوں کی طرح قرآن پڑھتے ہیں انہیں یہ نہیں پتا کہ اس کے معنی کیا

ہیں۔ لکھا گیا ہے جو انہیں بتایا جاتا ہے اس پر وہ یقین کر لیتے ہیں عربی زبان پہلی کلاس سے introduce کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بچہ خود ہی قرآن کو پڑھے گا اور خود ہی سمجھے گا تو ہم اپنی آنے والی نسلوں کو محفوظ کر سکتے ہیں تو یہ تجویز تھی۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی بخاری صاحب۔

سینیٹر سید نیئر حسین بخاری: شکریہ جناب چیئرمین۔ سب سے پہلے تو میں یہ وضاحت کر دوں کہ بہت سارے معزز سینیٹر حضرات نے اس بات کا ذکر کیا کہ وزیر تعلیم ایوان میں موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں، میں تھوڑی سی وضاحت کردوں کہ Minister of State for Education House میں موجود تھے لیکن چونکہ simultaneously, National Assembly کا session بھی چل رہا تھا اور ان کو وہاں پر Questions Hour میں replies دینے تھے، اس وجہ سے وہ وہاں گئے ہوئے تھے لیکن جب ان کو پیغام ملا تو یہ واپس آگئے ہیں۔

کچھ باتیں جو بہت سارے دوستوں نے کہیں، ممبران نے کہیں، ایک consensus ضرور develop ہوا ہے کہ Education کی uniform policy ہونی چاہیے اور یہ جو discrimination and disparity exist کرتی ہے اس کا removal ہونا چاہیے۔ عرض یہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی جب پہلی حکومت آئی تھی تو free education کا آغاز بھی کیا گیا اور nationalization بھی کی گئی اور وہ disparity and discrimination کو ختم کرنے کی کوشش بھی قائد شہید ذوالفقار علی بھٹو نے کی۔ 1977 سے لے کر آج 2009 تک 32 سال گزرے ہیں، ان 32 سالوں میں 20 سال تو فوجی حکمران بیٹھے رہے اور اس ملک کو کوئی پالیسی نہ دے سکے اور باقی بارہ سال کا عرصہ political governments کے پاس ہے اور آج وہ لوگ جو education policies کو criticize کر رہے ہیں یا suggestions دے رہے ہیں، وہ ایوانوں میں بڑا عرصہ بیٹھے رہے۔ 1985 سے Leader of Opposition Parliament کا حصہ چلے آ رہے ہیں اور ان کے ادوار میں بھی جب وہ حکومت میں رہے اور اب کچھ عرصے سے یہ Opposition میں ہیں لیکن کوئی output or input ان کی جانب سے as a policy on education نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مختلف اور احباب بھی حکومتوں میں بیٹھے رہے، آج contingencies create کرنے کی کوششیں بھی کی جا رہی ہیں۔ یہ اچھی بات ہے، جہاں کہیں محرومیاں ہیں، وہاں کا ذکر ہو رہا ہے لیکن

میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ موشن جو سینیٹر طلحہ صاحب نے move کیا، اس کے wordings ہیں۔

"The House may discuss the Education Policy of the Government."

Probably he has not seen the policy of the Government. Probably most of the members of the Senate, they have not gone through the policy of the Government, which was rightly pointed out by Senator S. M. Zafar that the Government has given a policy of 2009-10 and which is with him and I certainly agree, there is a criticism, there is a discrimination, there is a classification in education system, let us get out of the hypocrisy. While we stand over here and we criticize the education system but at the same time we put our children in a better institution where we pay more fee and we don't bother about the rest of the community surrounding us. So, we should get out of the hypocrisy and we should decide it. I certainly agree with Parvez Rashid that there should be a uniform policy and the Parliamentarians should come forward across the board. While sitting on the Treasury Benches or on the Opposition Benches, they should give the proposals to the Government certainly and they should shelve the perks and privileges if they really want that there should be enhancement in our literacy rate. Certainly, you have to give more money for Education sector.

جناب چیئرمین: آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ House نے ہر چیز discuss کی ہے مگر policy discuss نہیں کی ہے۔

Senator Nayyer Hussain Bokhari: Sir, my point is this that the policy which our Government..........

Mr. Chairman: The policy which has been given by the Government has not been discussed.

Senator Nayyer Hussain Bokhari: That is the point and certainly when................

Mr. Chairman: Everything has been discussed but the policy of the Government.

Senator Nayyer Hussain Bokhari: Now, Chairman of the Standing Committee, Mr. S. M. Zafar has said that we need your suggestions.

آپ suggestions دیں اور میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ inputs should have been given to Mr. S. M. Zafar, اور یہ Government Parliament کو across the board تجویز دے، irrespective of it that somebody is sitting on the Treasury Benches or on the Opposition Benches. Let us formulate a policy, let us give it to the Government and that should be executed. The Federal Government has to give the Policy and you know the Provincial Governments are there to execute that policy. Policies are never implemented or executed by the Federal Government. Policies are executed as regard the education is concerned by the Provincial Governments and certainly, I would feel, that there are certain facts and figures which are to be given by the Minister of State for Education. Thank you very much.

Mr. Chairman: Thank you. Haseeb sahib, please sit down. The Minister is talking. Let us not violate the rules. You people have all the chance. Yes, Minister sahib.

جناب غلام فرید کاٹھیا (وزیر مملکت برائے تعلیم): جناب چیئرمین! میں پہلے تو معذرت خواہ ہوں کہ میں اس وقت موجود نہیں تھا، جب یہ بحث شروع کی گئی۔ اس کی وجہ Leader

of the House نے بتا دی ہے کہ میں دونوں طرف مصروف تھا، اس وجہ سے میں یہاں حاضر نہ ہو سکا۔ سیکرٹری صاحب بھی موجود تھے۔

(مداخلت)

Mr. Chairman: Notice has been taken. Please give the reply.

جناب غلام فرید کاٹھیا: جناب چیئرمین! جناب طلحہ صاحب نے ایک motion move کی۔ کہ ایجوکیشن پالیسی کو discuss کیا جائے۔ میں جناب طلحہ صاحب کی بات سے بہت خوش تھا کہ چلو پارلیمنٹ کے بڑے ہاؤس نے کم از کم تعلیم کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے کم از کم یہ تو سوچا کہ یہ بھی ایک شعبہ ہے جس پر ہم غور کریں اور ہمیں، محکمہ تعلیم کو انتہائی خوشی ہوئی اور ہم یہاں تمام بحث کو سننے، ان کے پوائنٹس لینے، ان کے مشوروں کو سننے اور ان پر عمل درآمد کروانے کے لیے حاضر ہیں، موجود ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پالیسیاں دنوں میں تشکیل نہیں دی جاتیں۔ یہ ایک evolution ہوتا ہے۔ خاص طور پر برصغیر میں تعلیم کا نظام اسی بنیاد پر استوار ہے کہ وہ gradually آگے بڑھا ہے۔ علی گڑھ سے لے کر آج کی یونیورسٹیوں تک، اس میں انقلاب تو نہیں آسکا لیکن اس میں استواری ضرور آئی ہے۔ اس میں بہتری ضرور آئی ہے اور آئے دن جو بھی۔۔۔ میں کہتا ہوں، قائد ایوان صاحب نے کہا کہ یہاں بہت سی حکومتیں آئیں۔ کچھ مارشل لاء کی حکومتیں تھیں۔ سیاسی ادوار تو بہت کم آئے۔ ان کو تو پالیسیاں بنانے کا موقع ہی نہیں ملا، implement کرنا تو الگ ہے لیکن پھر بھی میں گزارش کروں گا کہ موجودہ پالیسی، جو آج ہم نے قوم کو دی ہے، میں عرض کروں گا کہ یہ over night یا ایک سال میں نہیں بنی۔ یہ بھی ایک evolution کے ذریعے یہاں تک پہنچی ہے۔ اس پر 2005 میں غور کیا گیا تھا۔ آپ جانتے ہیں جناب چیئرمین! کہ یہاں طبقاتی نظام ہے۔ ہمارے معاشرے میں طبقات موجود ہیں اور طبقات در طبقات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ اس میں یکسانیت لانے کے لیے بہت محنت درکار ہے۔ اس وقت یہ کہا گیا تھا اور آج بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ یکساں تعلیم ہونی چاہیے لیکن اس کے لیے کس دور اور کس stage پر محنت کی گئی؟ کس stage پر کام کیا گیا؟ میں تھوڑی سی تاریخ بتا دوں۔ جتنی حکومتیں آج تک یہاں پر آئیں، ایجوکیشن پر step by step کام تو ہوا، لیکن اس کے نتائج وہ نہ آسکے، جو آنے چاہئیں۔ سینیٹر صاحبان کی جو معتبر آراء آئی ہیں، یہ صحیح ہیں۔ ٹھیک کہتے ہیں کہ وہ achievements جو ہمیں تعلیم کے میدان میں حاصل کرنی چاہیے تھیں، وہ آج تک نہیں کر سکے لیکن

موجودہ پالیسی کے تحت میں سمجھتا ہوں کہ اسے آپ بنیادی قدم سمجھ لیں۔ ایس ایم ظفر صاحب نے ٹھیک کہا۔ اگر آپ اس resolution سے پہلے ہمیں حکم دیتے کہ اس پالیسی کی کاپیاں آپ کو مہیا کی جائیں تو ہم ضرور مہیا کرتے اور آج اس پر آگے مکمل بنتا۔ وہ بنیاد آپ کو دے دی جاتی۔ اس پر آپ کی تجاویز پر غور ہوتا اور اس پر نئی عمارت کھڑی کی جاتی۔ اب بھی انشاء اللہ ہو گی لیکن ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ پالیسی over night نہیں بنی۔ اس پر بہت محنت ہوئی ہے۔ ہر سطح پر بہت کام ہوا ہے۔ پرائمری سے لے کر ہائر تک، مرکز سے لے کر ضلع تک اس پر مشورے ہوئے ہیں۔ پرائیویٹ ٹیکسٹ بورڈ سے، سرکاری اداروں سے، اپنے دانشوروں سے، اپنے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے اور جتنے بھی اہل الرائے ہمیں اس سوسائٹی میں میسر آئے، سب سے مشورے کیے ہیں۔ سب سے آراء لی ہیں۔ اس پر درجنوں میٹنگز ہوئی ہیں۔2005 میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ equalization کے لیے 2010مقرر کیا جائے اور آج ہم یہ review کر رہے ہیں۔ اس پالیسی کو ہم نے review کیا ہے اور یہ دے رہے ہیں کہ یکساں پالیسی کے لیے ہمیں اب 2015تک جانا ہو گا۔ اس پالیسی کے تحت ہم نے اس کے لیے بنیاد فراہم کر دی ہے کہ جہاں مادری زبان میں تعلیم ضروری ہے، آج تک اردو میں ہوتی رہی لیکن صوبوں میں، سندھ میں سندھی زبان میں بھی ہوتی رہی۔ ہمارا ذریعہ تعلیم اردو رہا۔ آج ہم نے اس میں اصلاحات کی ہیں۔ ان تجاویز کی روشنی میں جو اہل دانش نے ہمیں دی ہیں، جو ماہرین تعلیم نے ہمیں دی ہیں، ان کے تحت ہم نے اس وقت، اس پالیسی میں جو بنیاد رکھی ہے، وہ یہ ہے کہ early childhood education سے تعلیم کا آغاز کیا جائے۔ پہلے early childhood کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ آج بچے کے داخلے کی عمر تین سے پانچ سال تک ہے early childhood کی اور پانچ سے دس سال تک پرائمری کے لیے عمر ہے۔ اب تعلیم کی duration میں فرق ڈال دیا گیا ہے کہ اب پرائمری سے لے کر from class 1 to class 10 school education ہو گی اور higher education ہائی سکول میں ہو گی۔ نویں سے لے کر بارہویں کلاس تک ایک ہی ادارے میں پڑھایا جائے گا۔ پرائمری اور مڈل کے gap کو ختم کر دیا گیا ہے۔ ایک سے لے کر نو تک اور نو سے آگے دوسری stage ہو گی اور higher education کے لیے ہم نے اسی پالیسی کے تحت ایک پوائنٹ رکھا ہے کہ ہمیں اس کی تعداد کو بھی بڑھانا ہے۔ اس ٹارگٹ کو achieve کرنے کے لیے پرائمری سکول میں داخل ہونے والے ہر بچے کا ایک ID card number ہو گا۔ اس کارڈ میں اس کی ساری functioning درج ہو گی اور جب وہ میٹرک کر کے نکلے گا، جب وہ higher education پوری کر

کے نکلے گا تو اس کی achievement کا پتا ہو گا کہ یہ کس طرف جا رہا ہے۔ صنعتی تعلیم کی طرف جانا چاہتا ہے، انڈسٹریل تعلیم کی طرف جانا چاہتا ہے، ٹیکنیکل تعلیم کی طرف جانا چاہتا ہے، اس کو اس کے مزاج کے مطابق اس لائن میں ڈالا جائے گا اور جس میدان میں وہ جانا چاہتا ہے، اس میں اس کو اس کی قابلیت کی height تک پہنچایا جائے گا۔ دوسری چیز یہ بنیادی اصول ہے کہ لازمی تعلیم ہر ایک کے لیے ہو گی۔ لازمی تعلیم سے مراد ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ جب school going age کو پہنچے گا تو وہ لازمی داخل ہو گا۔ ساتھ ہی ہم نے drop out ratio کو بھی کم کرنا ہے۔ یہ میں بنیادی تعلیم، پرائمری سطح کی تعلیم کی بات کر رہا ہوں کہ جو بچہ داخل ہوا ہے، ہمیں کوشش کرنی ہے کہ وہ اگلے مرحلے تک جائے اور اپنی تعلیم مکمل کرے۔ ہم نے اس gap and ratio کو ختم کرنا ہے۔ یہ اصول تعلیم چاہ رہے ہیں جس کے تحت ہم نے equalization کرنی ہے۔ نظام تعلیم کو ایک کرنا ہے، میرے خیال میں یہ اکیلی گورنمنٹ کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کے گھر کا ماحول، اس کے ماں باپ کا سوسائٹی میں status count کرتا ہے، اس کو آپ یکدم نظرانداز نہیں کر سکتے۔ انہوں نے پرائمری اور higher تعلیم بھی اپنے standard کے حساب سے لینی ہے۔ اس معیار کو ایک کرنے کے لیے ہم نے 2015 کا target رکھا ہے اور انگریزی اوّل کلاس سے لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ تمام علوم جو انگلش میں ہیں یا ہم جس معیار پر بچوں کو لانا چاہتے ہیں اور جیسا کہ بتایا گیا کہ یہ جو City schools, Beacon House, Educators ہیں، ان کا مقابلہ ہم اسی صورت کر سکتے ہیں کہ ہم پبلک سکولوں میں اپنے معیار کو بڑھائیں۔ جب تک ہم اپنے پبلک سکولوں میں معیار کو نہیں بڑھاتے، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہمارا تعلیمی نظام کو یکساں بنانے کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ہم محنت کر رہے ہیں۔ یہ بات صحیح کہی گئی کہ اس field میں بجٹ بہت کم دیا جاتا ہے، تعلیم کی مد میں بہت کم بجٹ دیا جاتا ہے لیکن یہ ہر حکومت کی مجبوری رہی ہے۔ موجودہ حکومت نے 2.57% کے بجٹ کو کوشش کی ہے کہ 2010 تک 4% اور 2015 تک ہمارا target ہے کہ ہم اس کو 07% تک لے کر جائیں اور UNESCO and Dakar conference میں ہمیں یہی target دیے گئے تھے۔ اس کے لیے ہم کام کر رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ 2015 تک اس بجٹ کو 07% تک لایا جائے اور 2010 to 2012 تک اس کو 04% تک لے کر جائیں۔

جناب چیئرمین! free education کے سلسلے میں مدرسوں کی مثال دی جاتی ہے کہ وہاں پر بچوں کو free education دی جاتی ہے، ان کو جس طرح کی تربیت دی جاتی ہے، وہ آپ کے

سامنے ہے۔ اس نئی پالیسی میں یہ شق موجود ہے کہ بچوں کے ایسے ادارے بنائے جائیں، جہاں free education ملے۔Free education means کہ فیس کی حد تک نہیں، ان کو لباس اور خوراک بھی ملے بالکل ایسے ہی جیسا کہ مدرسوں میں ہوتا ہے لیکن دینی اور دنیاوی تعلیم ان کو بھی مکمل ملنی چاہیے۔ Free education کے ساتھ۔۔۔

جناب چیئرمین: حاجی عدیل صاحب کہاں ہیں؟ وہ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ منسٹر صاحب نہیں ہیں۔ اب منسٹر صاحب جواب دے رہے ہیں اور حاجی عدیل صاحب نہیں ہیں۔

جناب غلام فرید کاٹھیا: جناب! main policy کا ایک اور point یہ ہے، ویسے تو یہ بہت وسیع ہے جو اس وقت تو مکمل نہیں ہو سکتی لیکن میں کوشش کروں گا۔ دوسری چیز یہاں پر نصاب تعلیم discuss ہوئی۔ Curriculum of the education ماضی میں جتنی بھی پالیسیاں رہی ہیں، ایک set curriculum تھا کہ سرکاری سکولوں میں ایک کلاس میں یہ کتاب پڑھائی جائے گی، غیر سرکاری سکولوں میں اور کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ کچھ foreign writers کی اور کچھ ہمارے ہم وطن writers کی تھیں لیکن اس مرتبہ ہم نے اس پالیسی میں curriculum وسیع کر دیا ہے۔ کوئی بھی سکول کوئی سی کتاب، کوئی سی text book پڑھائے، یہ متعین نہیں ہے لیکن جب examination لیا جائے گا تو اس field and subject کا لیا جائے گا، کسی کتاب کا نہیں لیا جائے گا اور بچوں میں یہ صلاحیت پیدا کی جائے گی کہ وہ خود بخود ایک مضمون لکھنا چاہیں تو ان میں سکول میں اتنی اہلیت پیدا کر دی جائے کہ گرائمر کی کتابوں سے رٹ کر مضمون لکھنے کی بجائے خود اس subject پر جو ان کو دیا جائے اس پر مضمون لکھ سکیں۔

جناب والا! یہ بچوں کی ذہنی تربیت کا وہ معیار، curriculum ہے جو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں اور پھر پاکستان میں جتنے بھی Text Book Boards ہیں، وہ آزاد ہیں لیکن وہ کسی پر اپنی کتابیں impose نہیں کر سکتے کہ آپ یہ کتاب ضرور پڑھائیں گے۔ نہیں، کوئی بھی کتاب پڑھائیں لیکن نصاب وہی ہو گا۔ آپ نے ایک subject پڑھانا ہے، اس میں ایک چیز مقرر ہے کہ آپ نے پانچویں جماعت میں یہ پڑھانا ہے تو وہ کسی بھی کتاب سے پڑھائیں، بچے میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ جب اس کے آگے کوئی پرچہ آئے تو وہ از خود بجائے رٹے کے اپنی sense اپنے حواس، اپنی دانست سے اس کو لکھ سکے۔ یہ چیز اس میں ہم نے بنیادی طور پر رکھی ہے۔

جناب چیئرمین! دوسری بات جس کو اہمیت دی گئی ہے وہ فنی تعلیم ہے۔ ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ کلرک پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں پر technicians, engineers, doctors پیدا ہوں۔ اس کے لیے ہم نے اس پالیسی میں ہمارے جتنے engineering and medical کے ادارے ہیں، ان سے صلاح مشورہ کیا ہے، یہاں تک کہ ہمارے جو dental ادارے ہیں، ان سے بھی مشورہ کیا اور ان کی تمام تجاویز کو ہم نے اس پالیسی میں شامل کیا ہے۔

جناب چیئرمین: صابر بلوچ صاحب، ذرا پلیز منسٹر صاحب کو سنیں۔

جناب غلام فرید کاٹھیا: جناب چیئرمین! سب سے بڑی چیز جو اس تعلیمی پالیسی کا حصہ ہے، وہ teachers training ہے اور اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کسی ان پڑھ teacher یا میٹرک پاس کو کوئی سیاستدان پکڑ کر teacher نہ لگوا دے اور پھر اس سے اپنے گھر کا کام کرواتا رہے، جیسا کہ ہمارے ہاں بحث ہوتی رہی۔ جناب چیئرمین! کوئی teacher training کے بغیر appoint نہیں ہو سکتا اور جتنی بھی appointments ہوں گی، ان کی education BA, B.Ed, MA, M.Ed, FA, CT ہو گی اور ہم نے primary level پر B.Ed teachers must کر دیے ہیں کہ primary education میں B.Ed سے کم یا trained teacher سے کم نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ہمارے ہاں پہلے سے جو under graduate teachers چلے آرہے ہیں لیکن trained ہیں، ان کا right ہے وہ چل رہے ہیں لیکن آئندہ جو بھی teacher ہو گا وہ CT, BT, B.Ed or M.Ed ہو گا اور university level پر کوئی بھی PhD teacher سے کم نہیں ہو گا۔ Graduation کے جتنے بھی ادارے ہیں، جہاں پر graduation کرائی جائے گی، کالج کی سطح کی جو تعلیم ہے، اس میں MA, M.Ed, MSc سے کم کوئی teacher نہیں ہو گا، BA, CT سے کم کوئی نہیں ہو گا اور جہاں پر ہم PhD کروائیں گے، جو Higher Education Commission کا ایک نظام ہے، اس کے تحت جتنے بھی teachers ہوں گے وہ qualified ہوں گے۔ وہاں پر کسی stage پر کسی non qualified teacher کو employment نہیں ملے گی، یہ اس پالیسی کا ایک اہم جز ہے۔

جناب چیئرمین! ایک ادارہ جس کی ضرورت ہے، جیسا کہ Leader of the House نے کہا، ہم نے پالیسی تو بنا دی اور یقین جانیے یہ پالیسی جناب ایس ایم ظفر صاحب کی نظر سے بھی گزری ہے اور قومی اسمبلی کی تعلیم کی جو House Committee ہے، اس نے بھی دیکھی ہے، سب نے اس

کی approval دی ہے۔ یہ ایک دفعہ cabinet میں پیش ہوئی تو جناب وزیر اعظم نے کہا نہیں اس کو صوبوں میں دوبارہ بھیجو۔ تعلیم کے جتنے بھی صوبائی محکمے ہیں ان سے مشورے لیے اور ان کی تجاویز کو اس میں induct کیا گیا۔ جو آخری میٹنگ ہوئی، اس میں تمام صوبائی وزراء تعلیم اور وزراء اعلیٰ موجود تھے، وہاں اس کی منظوری دی گئی اور وہ stage وہ تھی جو ان تمام مرحلوں سے گزر کر یہ پالیسی وہاں پہنچی۔ اب اس august House میں جتنی بھی تجاویز آئیں گی، جہاں تک میرا خیال ہے، یہ میری اپنی assessment ہے، پالیسی نہیں ہے، یہ استواری کی طرف جائے گی۔ یہ تمام تجاویز جو بھی اگلی پالیسی بنے گی، اس میں دی جائیں گی کیونکہ موجودہ پالیسی صوبوں کو implementation کے لیے روانہ کر دی گئی ہے اور اس کے لیے کمیٹیاں بن گئی ہیں۔ جناب چیئرمین! یہ بہت بڑا موضوع ہے۔

جناب چیئرمین: بس conclude کر لیں۔

جناب غلام فرید کاٹھیا: میں سمجھتا ہوں کہ طلحہ صاحب نے اگرچہ بےوقت motion پیش کیا لیکن پھر بھی بہتر کیا، اچھا کیا کہ وہ یہ resolution لے آئے۔ ہم انشاء اللہ وعدے کے مطابق تمام policy کی کاپیاں جو اس وقت اردو اور English میں موجود ہیں، وہ اس House کو مہیا کر دیں گے۔ Thank you very much.

Mr. Chairman: The motion has been talked out and the House stands adjourned to meet again on Tuesday the 19th January, 2010 at 10.30 a.m. Thank you.

[The House was then adjourned to meet again on Tuesday the 19th January, 2010 at 10.30 a.m.]